فہرست مضامین

	تعارف	5
	پیکر خاکی میں جان پیدا کر	6
	کچھ باتیں، معاشرتی اصلاح کے بارے میں	9
	رحم دلی کی صفت اور معاشرہ پر اس کے پڑنے والے اثرات	12
	معاشرے کو بچانے کی ضرورت اور اس کی صورت	14
	دنیا کی رغبت کا، دل کو اندھا کرنے کا باعث ہونا	16
	خسارہ کا سودہ کرنے والے طالب	19
	پاکیزہ اخلاقیات کے نظام کے بغیر انسانیت کی قابل رحم حالت	21
	مجاہدہ نفس (نفس کے خلاف جہاد) کی ضرورت، اس کی خصوصیات اور ثمرات	23
	تلخی کی نفسیات اور معاشرے پر اس کے منفی اثرات	27
	آزاد ملک میں علماء کی ذمہ داری	29
	تعمیر معاشرہ کا کام اور ائمہ مساجد	39
	اسم ذات کے ذکر سے سفر زندگی شروع کرنے کے اثرات	43
	معاصر شخصیتوں کے خلاف حاسدانہ نفسیات	45
	بندہ مؤمن کو درپیش دو مشکلات	48
	نفس اور نفسی، قوتیں بعض بزرگانِ دین کی نظر میں	51
	داعی وصوفی کی خصوصیات، ایک نظر میں	70
	اکابر اہل اللہ کے اقوال	73
	اہل علم واہل دانش ساتھی کے نام	93

تعارف

زیر نظر کتاب کا نام اقبال کے شعر ''پہلے اپنے پیکر خاکی میں جان پیدا کرو'' سے لیا گیا ہے، نام کو مختصر کرنے کے لئے اس کے ابتدائی دو الفاظ حذف کر دیئے گئے ہیں، اس موضوع پر اقبال نے نثر میں بھی کافی کچھ لکھا ہے، اس سلسلہ میں ''مقالات اقبال'' میں کافی مواد موجود ہے۔

یہاں اس کا ایک حوالہ پیش کیا جاتا ہے، یہ حوالہ زیر نظر کتاب میں شامل مضامین کے تعارف کی حیثیت رکھتا ہے اور ان مضامین کی بہت مؤثر توضیح کرتا ہے، اس لئے اسے یہاں دیا جارہا ہے۔

''انسان کا سب سے پہلا فرض یہ ہے کہ دنیا کے لئے اس کا وجود زینت کا باعث ہو، اس کے ہر فعل میں ایک قسم کی روشنی ہو، جس کی کرنیں اوروں پر پڑ کر، ان کو دیانتداری اور صلح کاری کے ساتھ زندگی بسر کرنے کا سبق دیں، اس کی ہمدردی کا دائرہ دن بدن وسیع ہونا چاہئے، تاکہ اس کے قلب میں وسعت پیدا ہو، جو روح کے آئینہ سے تعصبات اور توہمات کے زنگ کو دور کر کے اسے مجلا و مصفا کر دیتی ہیں۔ **(مقالات اقبال)**

کتاب میں دو مضامین ''اکابر بزرگان دین کے اقوال'' اور نفس اور نفسی قوتوں کے بارے میں ان کے تجزیہ پر مشتمل ہیں، یہ دونوں مضامین نہایت اہم اور ہماری عبرت کی آنکھیں کھولنے والے ہیں۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کتاب کو اپنے ہاں قبولیت کا شرف عطا فرمائے۔ **(آمین)**

حیدرآباد — **محمد موسیٰ بھٹو**

پیکر خاکی میں جان پیدا کر

پہلے اپنے پیکر خاکی میں جان پیدا کر، یہ بہت اہم نکتہ ہے یعنی خاکی جسم پر روح اور روحانی قوتوں کو غالب کرو، تاکہ یہ خاکی جسم، فرد وافراد کو مادے پر فریفتہ ہونے پر مجبور کرکے، اس کے اصل جوہر کو ضایع نہ کردے، اور یہ زندگی مادہ پرستی اور نفس پرستی کا نمونہ نہ بن جائے، اگر خاکی جسم یعنی نفسی قوت اصل انسانی شخصیت روح پر غالب ہوگئی تو انسان اس زمین پر اللہ کے خلیفہ کی حیثیت سے کردار ادا کرنے سے قاصر ہو کر، شیطان کا ساتھی بن جائے گا اور شیطان اور اس کے ساتھی تو جھنم ہی کا ایندھن بنیں گے، اور اللہ کی زمین کو بھی فساد سے بھر دیں گے۔

ہم اگر موجودہ انسانیت کا جائزہ لیں تو معلوم ہوگا کہ انسانیت نے شاید یہ طے کر لیا ہے کہ اسے خاکی جسم ہی کو طاقتور بنانا ہے، اس کی مادہ پرستی اور نفس پرستی کے حوالے سے ساری ضروریات کو آخری حد تک پورا کرنا ہے، اس سلسلہ میں روحانیت اور پاکیزہ اخلاقی قدروں کو کوئی اہمیت نہیں دیتی ہے۔

عالمی سطح کی انسانیت کے اس فیصلہ کا نتیجہ ہے کہ خاکی انسان اور انسانیت کا مادی وجود، اس کے روحانی وجود پر مکمل طور پر حاوی ہوگیا ہے اور نفسی قوتوں اور خاکی قوتوں کو دنیا میں ہر سطح پر فساد برپا کرنے کی مکمل اجازت دیدی گئی ہے، دنیا میں کوئی قوت ایسی نہیں ہے، جو خاکی قوتوں کے برپا کردہ اس فساد کو روک سکے اور انسانیت کو سچی روحانیت اور اللہ پرستی پر مبنی پاکیزہ تہذیب کی راہ پر گامزن کر سکے۔

موجودہ دور میں انسانیت کے خاکی وجود کو ایٹمی قوت کے ساتھ ساتھ سوشل میڈیا کی جو قوت مہیا ہوگئی ہے، اس نے اس کی طاقت اور غرور کے نشے کو تیز سے تیز تر کر دیا ہے اور پوری انسانیت کو ایٹمی قوت اور سوشل میڈیا کی قوت کے ذریعہ مادہ پرستی کی راہ پر گامزن کرنے کے لئے اللہ پرستی پر مبنی پاکیزہ تہذیب اور اس کے صحیح علمبرداروں کو راہ سے ہٹانے کی منصوبہ بندی کی گئی ہے اور اس کے لئے دولت کے انبار خرچ ہو رہے ہیں۔

اگرچہ انسان کے خاکی وجود یعنی نفسی قوتوں اور اللہ پرستی کی حامل قوتوں کے درمیان ہمیشہ کشمکش اور مقابلہ رہا ہے، لیکن موجود دور میں خاکی وجود یعنی نفسی قوتیں بے پناہ طاقت کی حامل ہوگئی ہیں، انسانی ذہن، نفسیات، اور دل پر کنٹرول کرنے کے لئے خاکی وجود کے علمبرداروں کے پاس ایسے آلات اور وسائل موجود ہیں کہ وہ ان آلات کے ذریعہ ہر وقت اربہا انسانوں پر اثر انداز ہیں اور انہیں خاکی وجود کی آخری حد تک پرستش کی راہ پر لگانے کے لئے کوشاں ہیں۔

ان حالات میں دردمند مسلمان کی حیثیت سے ہماری ذمہ داری ہے کہ ہم حالات کو بدلنے کے سلسلے میں اپنے حصہ کا بھرپور کردار ادا کریں۔

خاکی وجود کے علمبرداروں یعنی نفس پرستی کی عالمی قوتوں کی کوششوں کو ناکام بنانے کی بہتر صورت ایک ہی ہے، کہ اپنی قوت کے ساتھ اللہ کی قوت کو شامل کیا جائے، اللہ کی قوت اللہ کی مخلصانہ اطاعت سے ہی حاصل ہو سکتی ہے، یہ مخلصانہ اطاعت انفرادی واجتماعی زندگی اور اس کے ہر موڑ اور ہر معاملہ میں ہو، زندگی کا کوئی گوشہ اس اطاعت سے خالی نہ ہو، یعنی ہماری سیاست، ہماری معیشت، ہماری معاشرت، ہمارا نظام تعلیم وغیرہ سب کی تشکیل اور بنیاد میں اللہ کی تعلیمات شامل ہو، ہماری انفرادی واجتماعی زندگی اسی کے مطابق استوار ہو، اس کے بعد

ہی اللہ کا یہ وعدہ ہمارے ساتھ شامل حال ہوگا **ان تنصر اللہ ینصرکم** (تم میری مدد کرو تو میں تمہاری مدد کروں) اللہ کی مدد کرنے کا مطلب زندگی کے ہر شعبہ میں اللہ کی مخلصانہ اطاعت ہی ہے۔

جس ملت کے ساتھ اللہ کی قوت شامل ہو جائے، اسے خاکی وجود یا ناری وجود کی حامل قوتیں کیا کر سکتی ہیں۔

کچھ باتیں معاشرتی اصلاح کے بارے میں

کسی صاحب دل شخصیت کا بیان کردہ یہ نکتہ بہت اہم ہے کہ کسی سے بُرائی کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اسے موجودہ حالت سے بدتر حالت میں دھکیل دیا جائے، اسی طرح کسی سے بھلائی کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اس کی ذہنی اور نفسیاتی حالت کو مزید بہتر بنایا جائے۔

ایک دوسرا مقولہ ہے کہ کانٹوں کے جواب میں اگر کانٹے رکھے جائیں، تو اس سے زمین کانٹوں سے بھر جائے گی، یعنی اگر بُرائی کا جواب بڑائی سے دیا جائے گا تو معاشرہ فساد سے عبارت ہو جائے گا۔

یہ دراصل سلیقہ انسانیت کے نکات ہیں، ان نکات کو دل اور مزاج کا حصہ بنانے کے نتیجے میں معاشرہ خیر و بھلائی کا نمونہ بن جاتا ہے۔

آج ہمارے معاشرے میں ہر طرف فساد برپا ہے، افراد افراد سے دست گریباں ہیں، گروہ گروہوں سے ٹکرا رہے ہیں، اس کا بنیادی سبب یہ ہے کہ ہم سلیقہ انسانیت کے بنیادی نکات کو اپنے مزاج کا حصہ بنانے میں ناکام ہیں، یہ ریاست کا کام ہوتا ہے کہ وہ قوم کے لئے اس طرح کا تربیتی نظام تشکیل دے، جس سے ملت سے وابستہ افراد کے مزاج میں ایک دوسرے کے لئے احترام اور جذباتِ محبت پیدا ہو سکیں اور معاملات اور گفتگو کے وقت سلیقہ انسانیت، وقار اور شائستگی کے آداب پیدا ہو سکیں۔

بدقسمتی سے ہماری قومی زندگی اینٹ کا جواب پتھر سے دینے کے مزاج کی حامل ہو چکی ہے، اس کا جو نتیجہ ظاہر ہوا ہے، وہ یہ ہے کہ چھوٹے سے چھوٹے مسئلے کو بھی سلیقہ سے حل کی صلاحیت کی رخصت ہو چکی ہے اور معاشرے میں جھگڑوں کا ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع ہو چکا ہے۔

اس موضوع کی اہمیت کے پیش نظر یہاں کچھ احادیث پیش کی جاتی ہیں۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں بدترین لوگ وہ ہیں، جو چغلی کھاتے ہیں اور دوستوں میں تفریق پیدا کرتے ہیں۔

آپؐ نے مزید فرمایا، تمہارا دوست جب بھی کوئی عذر بیان کرے، جو سچا ہو یا جھوٹا، اس عذر کو قبول کر لیا کرو۔

ایک اور حدیث میں آپؐ نے فرمایا، جس شخص نے اپنے بھائی کے سامنے (اپنی کسی غلطی کا) عذر کیا اور اس نے عذر قبول نہ کیا تو اس پر ایسا گناہ ہوگا جیسا زبردستی ٹیکس وصول کرنے والے پر ہوتا ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، آدمی کے لئے اتنی بُرائی کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کی تحقیر کرے۔

مزید فرمایا، اپنے بھائی کا ردمت کرو، نہ اس سے مذاق کرو اور نہ کوئی ایسا وعدہ کرو، جسے پورا نہ کر سکو۔

فرمایا: اپنے پڑوسی کے لئے پڑوسی بنو، مسلمان ہو جاؤ گے، اپنے دوستوں کے لئے اچھے دوست بنو، صاحب ایمان ہو جاؤ گے۔

فرمایا: جھگڑا بھائیوں کے درمیان دشمنی کی آگ بھڑکا دیتا ہے۔

فرمایا، جس نے اپنے بھائی کا عیب چھپایا، اس نے گویا زندہ درگور کو زندگی بخشی، فرمایا جو شخص اپنے بھائی کا عیب چھپائے گا، اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت میں اس کے عیبوں کی پردہ پوشی کریں گے۔

فرمایا: جو شخص باطل (ناحق) پر ہو کر جھگڑا چھوڑ دے، اس کے لئے جنت کے کنارے پر گھر بنایا جائے گا اور جو شخص حق پر ہو کر جھگڑا چھوڑ دے تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت کے درمیان میں گھر بنائے گا۔

فرمایا: ایسے پڑوسی سے اللہ کی پناہ مانگو، جو اچھائی دیکھے تو اسے چھپا دے اور بُرائی دیکھے تو اسے ظاہر کر دے۔

اسلام کی یہ کتنی زرین تعلیمات ہیں، ہم اگر اسے معاشرتی زندگی میں اختیار کریں تو ہمارا معاشرہ پاکیزگی کا منظر بن سکتا ہے۔

اسلام کی یہ ساری تعلیمات تربیت اور تزکیہ سے تعلق رکھتی ہیں، تزکیہ کے مراحل سے گزرتے ہی ان تعلیمات پر عمل پیرا ہونے کی استعداد پیدا ہو سکتی ہے۔

معاشرتی زندگی میں ابتری ایسی چیز ہے، جو افراد سے سکون چھین لیتی ہے، اور انہیں ایک دوسرے سے انتقام لینے اور باہم دست و گریباں ہونے کے تفکرات سے بھر دیتی ہے، اس طرح زندگی وبال بن جاتی ہے۔

رحم دلی کی صفت

اور معاشرے پر اس کے پڑنے والے اثرات

رحم دلی ایک بڑا وصف ہے، جو بندہ مؤمن کو اللہ کی رحمت کا مستحق بناتی ہے، یہ وصف اپنے ساتھ دوسری صفات بھی لاتی ہے، جن میں نرمی، معافی، دوسروں کی حالت زار پر رحم کھانا اور ترس کا آنا، وغیرہ شامل ہے، رحم دل فرد اگر معاشی اعتبار سے مستحکم ہے تو وہ غریبوں کی اعانت کئے بغیر رہ نہیں سکتا، اس لئے کہ اس کا دل اسے مجبور کرتا ہے کہ اللہ کی بے کس مخلوق کی مدد کی جائے، رحم دل افراد کی اس شفقت کا نتیجہ ہے کہ معاشرے میں معاشی اعتبار سے ناہمواری ایک حد سے آگے نہیں بڑھنے پاتی، سنگ دلی اور قساوت قلبی یہ رحم دلی کے مقابل کی چیزیں ہیں، سنگ دلی اور قساوت قلبی پر مشتمل معاشرہ خیر کے بہت سارے کاموں سے محروم رہتا ہے اور ایسے معاشرے میں ظلمات اور نفسا نفسی کی فضا غالب رہتی ہے، رحم دلی کا یہ پہلو بھی اہم ہے کہ وہ مزاج کی سختی کو نرمی میں تبدیل کرتی ہے، مزاج کی سختی بڑی آفت ہے، جو فرد کو اپنے دوست، احباب اور عزیز واقارب سب کے لئے متشدد بنا دیتی ہے، رحم دلی کی صفت اس کا بھی علاج ہے۔

رحم دلی کوئی خارجی جذبہ نہیں ہے، بلکہ یہ خالص داخلی نوعیت کا احساس ہے، رحم دلی کا دل کی قوت، دل کی سلامتی وصحت اور دل کے انوار سے گہرا تعلق ہے، اس کے بغیر رحم دلی کی مصنوعی نوعیت کی صلاحیت تو پیدا ہو سکتی ہے (جو زیادہ مفید اور مؤثر ثابت نہیں ہو سکتی)۔ لیکن اس کی حقیقی صلاحیت نہیں ابھر سکتی، مذکورہ صلاحیتوں کی حامل رحم دلی ہی دراصل اللہ کی رحمت کو اپنے ساتھ لانے کا ذریعہ بن سکتی ہے، اس طرح کی رحم دلی سے معاشرہ خیر و بھلائی سے بہرہ ور ہو سکتا ہے۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کہ لوگوں پر رحم کرو، تم پر بھی رحم کیا جائے گا، لوگوں کو معاف کرو، تمہیں بھی معاف کیا جائے گا۔

ایک دوسری حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اگر کسی شخص نے کسی سے معافی مانگی اور اس نے اس کی معذرت قبول نہ کی تو وہ حوض کوثر پر نہ آسکے گا۔

یہ دونوں حدیثیں ایسی ہیں، جو ہمیں اس بات پر اکسانے کے لئے کافی ہیں کہ ہم اپنے اندر رحم دلی اور معافی بلکہ آخری حد تک معافی کی صفت پیدا کریں، تاکہ ہم اللہ کی معافی کے مستحق بن سکیں۔

انسانی نفس کی عجیب حالت ہے کہ اگر اس میں رحم دلی کی صفت پیدا نہ ہوگی تو اس کی جگہ قساوت قلبی اور سنگ دلی لے لیتی ہے، سنگ دلی ایسی بیماری ہے، جس سے بہت ساری روحانی بیماریاں پیدا ہو جاتی ہیں اور سنگ دل افراد کی طبیعت میں خیر کی استعداد پیدا نہیں ہو پاتی، ہمیں اپنے عزیز واقارب، دوست احباب اور جاننے والوں کے ساتھ رحم دلی، محبت، معافی اور نرمی کا معاملہ اختیار کرنا چاہئے کہ اس سے طبیعت کا بخل اور نفس کی ظلمات دور ہوتی ہیں۔

معاشرے کو بچانے کی ضرورت

اور اس کی صورت

ہمارے بزرگوں میں ایک بڑی وصف جو موجود رہی ہے (جس کی وجہ سے معاشرے میں خیر سگالی اور محبت کی فضا غالب رہی ہے) وہ دوسروں کے سامنے جھک جانا، دوسروں کے بارے میں دل میں میل نہ آنے دینا، لوگوں کے قصوروں کو معاف کرنا، اپنی شخصیت کو مٹانا، عاجزی، فروتنی، اپنی ذات کی نفی کا ہونا، لوگوں کی تکلیف اور غم کو اپنا غم سمجھنا، اپنوں اور غیروں کے لئے دل سے دعاؤں کا نکلنا، اپنی معاصر شخصیتوں کے سامنے بچھ جانا، اللہ کے بندوں کی دنیا و آخرت کی بھلائی چاہنا، اپنے وسائل میں غریبوں کا کافی حصہ رکھنا، ظرف کا بلند ہونا، دوسروں کی ترقی کو دیکھکر خوش ہونا، اپنے آپ کو ہیچ سمجھنا، وغیرہ یہ ساری چیزیں ایسی ہیں، جو ایک دور میں ہمارے معاشرے کا حصہ رہی ہیں، ہماری اخلاقیات اور ہماری روحانیت انہی چیزوں کے گرد گھومتی رہی ہے، بدقسمتی سے موجودہ دور میں ہمارا معاشرہ ان ساری صفات سے خالی ہو گیا ہے، یہ سب مادیت پرستی اور نفسا نفسی کی ہمہ گیر فضا کا اثر اور اس کا نتیجہ ہے، عوام تو دور کی بات ہے، خواص میں بھی یہ صفات باقی نہ رہی ہیں، اگرچہ معاشرہ پوری طرح ایسے افراد سے خالی نہیں ہوا، تاہم ان صفات کے حامل افراد تلاش بسیار کے بعد کہیں جا کر ملتے ہیں۔

اس کا نتیجہ ہے کہ ہمارا معاشرہ ہمہ گیر فساد کا منظر پیش کر رہا ہے، چھوٹی چھوٹی باتوں پر ایک دوسرے سے تصادم و ٹکراؤ ہے، حسد و جلن کی وجہ سے ایک دوسرے کو گرانے کی کوششیں عام ہیں، اپنی ذات اور اپنی نفس کی چاہتوں کے علاوہ کسی چیز سے تعلق خاطر نہیں ہے، دنیا کی فکر سارے افکار پر غالب ہے، سیاسی، سماجی، مذہبی اور روحانی میدان میں جو افراد آگے بڑھکر کام کر رہے ہیں، انہیں گرانے کی کوششیں جاری ہیں، خاندانوں اور برادریوں میں جھگڑوں کا ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ جاری ہے۔

جب معاشرے میں نفس کی اصلاح اور تزکیہ نہیں ہوتا اور تزکیہ کے ادارے مستحکم ہو کر، لوگ ان سے نہیں جڑتے تو ایسا ہی ہوتا ہے اور نفسا نفسی کی وجہ سے افرادِ معاشرہ فساد سے دوچار ہو جاتے ہیں اور یہ زندگی ایک طرح سے چھوٹے سے جہنم کا منظر بن جاتی ہے۔

ضرورت ہے کہ افراد کے باطن میں موجود ظلمات اور تاریکی کو دور کر کے باطن کو آباد اور منور کرنے کی کاوشیں ہوں، اس سلسلے میں دردمند اور حساس افراد کو بہت زیادہ تحرک اور حساسیت کا مظاہرہ کرنا پڑے گا، مثلاً اگر ایک محلے یا ایک علاقے میں تزکیہ کی حامل شخصیت موجود ہے تو خود بھی اس سے بھرپور استفادہ کیا جائے تو دوسروں کو بھی اس سے استفادہ کی دعوت دی جائے، تاکہ معاشرے میں اخلاقی اعتبار سے جان پیدا ہو جائے اور روحانیت، مادی نفس کے وجود پر غالب آجائے۔

نظام تعلیم کو بدل کر اس میں تزکیہ کا اہتمام کرنا، ایسا ہونے کی تو اب کوئی صورت نظر نہیں آتی، لیکن اصلاح کی جو صورت اوپر بیان کی گئی، وہ تو اختیار کی جا سکتی ہے، اس میں کوئی زیادہ مشکل درپیش نہیں۔

صحتمند کتابوں کے مطالعے سے بھی کچھ نہ کچھ اصلاح ہو سکتی ہے، لیکن سنجیدہ علمی کتابوں کے مطالعے کا رجحان تو اب معاشرے سے بالکل ہی ختم ہو گیا ہے، یہ ایسی بات ہے جو معاشرے کے المیوں میں شامل ہے کہ جدید نسلوں سے سنجیدہ علمی کتابوں کا ذوق سرے سے ختم ہو گیا ہے۔

دنیا کی رغبت کا

دل کو اندھا کرنے کا باعث ہونا

موجودہ دور کو مادیت پسند دور کہا جائے تو غلط نہ ہوگا، لگ بھگ ہر فرد پر یہ جنون سوار ہے کہ اسے زیادہ سے زیادہ دولت حاصل ہو اور وہ زیادہ سے زیادہ دنیاوی سہولتوں سے ہمکنار ہو، بڑی اور خوبصورت قیمتی گاڑی، بہترین مکان، سامان تعیش اور بینک بیلنس وغیرہ ہر شخص کی کامیابی کا معیار یہی چیزیں بن گئی ہیں، مذہبی فرد ہو یا غیر مذہبی، لگ بھگ ہر فرد پر یہی جنون سوار ہے، اور اسی مقصد کے حصول میں توانائیاں اور صلاحیتیں صرف ہونے لگی ہیں، غریب افراد تو بنیادی ضرورت کی چیزوں کے حصول کی جدوجہد میں توانائیاں صرف کر رہے ہیں، ان کی مجبوری ایک اعتبار سے قابل رحم ہے کہ دن بھر کی کوششوں کے باوجود وہ بمشکل روٹی اور علاج و معالجہ کے لئے وسائل حاصل کرنے میں کامیاب ہیں، جب کہ متوسط طبقہ کی حالت نسبتہ بہتر ہے اور سرمایہ دار تو دولت کے انبار رکھتا ہے، لیکن ایک بات جو لگ بھگ سب میں مشترک ہے، وہ یہ ہے کہ سب چاہتے ہیں کہ ایسے مواقع و حالات پیدا ہوں، جس سے دنیا و دولت اور سامان راحت کے حوالے سے ان کے سارے ارمان پورے ہوں، اور ان کو دنیا کی ہر نعمت اور راحت کا ہر سامان میسر ہو۔

اس دور میں دنیا اتنی خوبصورت صورت میں سامنے آئی ہے کہ اس دنیا کے مجنونوں کی تعداد میں غیر معمولی طور پر اضافہ ہوگیا ہے، حالانکہ دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ دنیا کی حقیقت چند دنوں یا چند لمحات سے زیادہ نہیں، فرد پیدا ہوتا ہے، جوان ہوتا ہے اور بوڑھا ہو کر مر جاتا ہے، عمر کا یہ سارا دورانیہ اس طرح طے ہوتا ہے کہ ساری عمر چند لمحوں کے مثل لگتی

ہے اور موت کے وقت فرد کو حسرت ہوتی ہے کہ کاش کہ اس نے آخرت میں نجات کے حصول کے لئے وقت، توانائیاں اور صلاحیتیں صرف کی ہوتی۔

دنیاوی زندگی اور آخرت کی زندگی یہ دونوں ایک دوسرے کے متضاد ہیں، اس طرح کی ایک حدیث بھی ہے، یعنی دنیا فرد کو اپنی طرف کھینچتی ہے، جب کہ آخرت، فرد کو آخرت کے تیاری کے لئے یکسو کر دیتی ہے۔

دنیاوی زندگی اور معاشی جدوجہد فرد و افراد کے لئے اسی وقت مفید اور بہتر ہو سکتی ہے، جب ضرورت کی حد تک دنیاوی کوششوں کے باوجود دلی طور پر دنیا سے بے رغبتی موجود ہو، دل میں دنیا کی محبت اور چاہت نہ ہو۔

اس سلسلے میں یہاں ایک اہم حدیث شریف پیش کی جاتی ہے، جو شاید ہماری آنکھیں کھولنے کے لئے کافی ہو۔

حدیث شریف ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام سے فرمایا کہ تم میں سے کون ہے، جو چاہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے دل کے اندھے پن کو دور کر دے اور اس کی عبرت کی آنکھوں کو کھول دے۔ جو یہ چاہتا ہے، وہ غور سے سن لے کہ جو شخص دنیا سے جتنی زیادہ رغبت رکھتا ہے اور اس سے لمبی لمبی امیدیں باندھتا ہے، حق تعالیٰ اسی کے بقدر اس کے دل کو اندھا کر دیتے ہیں، اور جو شخص دنیا سے بے رغبتی اختیار کرتا ہے، اپنی آرزوؤں (اور خواہشوں) کو مختصر کرتا ہے، اللہ تعالیٰ بغیر سیکھے، اسے علم عطا فرماتے ہیں اور بغیر کسی کے دکھائے اسے راستہ بتاتے ہیں۔

اس حدیث شریف میں دنیا سے رغبت دوسرے الفاظ میں دنیا سے محبت کے عمل کو دل کے اندھا ہونے سے تشبیہ دی گئی ہے، جب دل اندھا ہو جائے تو بینائی کہاں سے آسکتی ہے، ہمارا مشاہدہ ہے کہ اچھے خاصے سمجھدار لوگ دنیا پر اس قدر ٹوٹ پڑتے ہیں کہ ان کے پاس تزکیہ اور اصلاح نفس کے لئے وقت ہی نہیں ہوتا، دنیا سے اوپر اٹھانے کے لئے ان پر جتنی بھی

محنت کی جائے، وہ معمولی مادی نفع سے بھی دستبردار ہونے کے لئے تیار نہیں، اللہ کے ذکر کی مجلس میں شریک ہونا، ان کے لئے موت کو دعوت کے مترادف ہوتا ہے، یہ سب نتیجہ ہوتا ہے دنیا سے بے پناہ رغبت کا، اول تو نفس کی اپنی چاہت دنیا اور سامان راحت کا حصول ہوتا ہے، دوم یہ کہ مادیت کی عالمگیر فضا نفس کی اس چاہت میں غیر معمولی اضافہ کر دیتی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ ایسی دنیا مردود اور لعنت زدہ ہے، جو فرد وافراد کو اللہ سے دور کر دے اور آخرت کی تیاری کی فکر کو سرد کر دے۔

خسارہ کا سودہ کرنے والے طالب

ایک فرد چاہتا ہے کہ وہ اللہ سے قربت کے مقامات طے کرنے کے لئے مجاہدوں سے کام لے، لیکن مادی مصروفیات اسے ایسا کرنے نہیں دیتی، روزمرہ زندگی میں جونہی وہ ذکر وفکر کے مجاہدوں میں مصروف ہونا چاہتا ہے، عین اسی موقعے پر کوئی نہ کوئی مصروفیت اس کے لئے رکاوٹ بن کر اسے اس سمت میں آگے بڑھنے نہیں دیتی۔

اس کے پاس دنیا کے سارے کاموں کے لئے وقت ہوتا ہے، لیکن تزکیہ نفس کے لئے چاہت کے باوجود اس کے پاس وقت نہیں ہوتا یا اگر وقت ہے بھی تو برائے نام، اس کی چاہت دراصل حقیقی چاہت نہیں ہوتی، اگر حقیقی چاہت موجود ہو تو اللہ کی راہ میں حائل ہونے والی ساری رکاوٹوں اور ساری زنجیروں کو توڑ کر بھی فرد محبت کی راہ میں آگے بڑھتا رہے گا اور تزکیہ کے ارتقائی مراحل طے کرتا رہے گا۔

طالب کو ضروری اور غیر ضروری مصروفیات کی فہرست تیار کرنی چاہئے، وہ اگر دل کی گہرائیوں اور سچی طلب کے ساتھ ایسا کرے گا تو اسے کئی مصروفیات ایسی نظر آئیں گی، جو غیر ضروری مصروفیات میں شمار ہوں گی اور اسے محسوس ہوگا کہ اس کے بغیر بھی زندگی کی گاڑی چل سکتی ہے، اس طرح وہ غیر ضروری مصروفیات کو ترک کر کے تزکیہ کے لئے قابل ذکر وقت نکالنے میں کامیاب ہوگا دوسری بات جو طالب کو سمجھنا ضروری ہے، وہ یہ ہے کہ نفس، تزکیہ کی راہ میں شدید مزاحم رہے گا، وہ حجابات در حجابات پیدا کرتا رہے گا، پاؤں میں زنجیریں بن کر سامنے آئے گا، ان حالات میں طالب کو فولادی حوصلہ کا مظاہرہ کرنا پڑے گا، غیر معمولی قوت ارادی سے کام لینا پڑے گا، جب طالب ایسا کرنے میں کسی حد تک کامیاب ہوگا تو رفتہ رفتہ اس کے لئے تزکیہ کے لئے مجاہدوں سے کام لینے میں آسانی ہوتی جائے گی، کچھ

عرصے کے بعد جب ذکر وفکر میں حلاوت آنا شروع ہو گی تو راستہ کی ساری مشکلات سہل ہو جائیں گی۔

اس سلسلے میں افسوس اور دکھ کی بات یہ ہے کہ اکثر طالب زندگی بھر ارادوں پر ارادے کرتے رہتے ہیں، لیکن ان ارادوں کو عملی جامہ پہنانے کے حوصلے سے محروم رہتے ہیں، اس طرح وہ قیمتی زندگی کو خصیص دنیا اور دنیا کی خصیص لذتوں اور سامان راحت کے حصول میں برباد کر دیتے ہیں، کتنے بڑے خسارہ کا سودہ ہے جو وہ کرتے ہیں۔

راہ محبت دراصل اللہ کی طرف دوڑنے کی راہ ہے، **ففروا الی اللہ** (اللہ کی طرف دوڑو)۔

جو طالب اللہ کی راہ محبت میں دوڑنے کے ارادے سے چلے گا، وہ اگرچہ شروع میں سست رفتاری سے چلے، لیکن حقیقی چاہت، قوت ارادی اور حوصلہ کی وجہ سے ایسا طالب جلد ہی اس راہ میں تیز رفتاری سے چلنا شروع کر دے گا، اس لئے کہ راہ محبت کی حلاوت اسے ایسا کرنے پر مجبور کرے گی۔

یہ زندگی اللہ کی معرفت، عبادت اور ذکر وفکر کے لئے ہی ملی ہے، لیکن اگر اسی مقصد میں پیش قدمی ہونے کی بجائے پسائی ہونے لگے تو زندگی نہ صرف لاحاصل ہو جاتی ہے، بلکہ زندگی غیر معمولی دکھوں، غموں اور اذیتوں سے دوچار ہوتی ہے اور آخرت کی زندگی تو اس سے ہزارہا گنا زیادہ اذیتوں اور مصائب کا شکار ہو گی۔

اگر فرد عبادت اور ذکر وفکر سے محرومی کی اس سزا کا دھیان جمالے (اس کا مراقبہ کرے) تو انشاءاللہ راہ محبت کے لئے وقت نکالنا اس کے لئے زیادہ دشوار نہ رہے گا۔

پاکیزہ اخلاقیات کے نظام کے

بغیر انسانیت کی قابل رحم حالت

انسان نے ذہانت اور محنت سے بے پناہ تمدنی ترقی کی ہے، لیکن بے لاگ انسانی جذبات وخواہشات کی وجہ سے یہ تمدنی ترقی خطرے سے دوچار ہے، اخلاق کی ضرورت اس لئے ہوتی ہے، تاکہ خواہشات کو حداعتدال میں رکھا جاسکے، خواہشات اور جذبات حیوانوں میں بھی پائے جاتے ہیں، لیکن انسان کے جذبات حیوانوں سے زیادہ پیچیدہ اور سنگین ہیں، انسان چیونٹیوں اور شہد کی مکھیوں کی طرح پورے طرح میں اجتماعیت پسند نہیں، نہ ہی وہ شیر اور چیتوں کی طرح پوری طرح تنہا پسند واقع ہوا ہے۔ اس کے بعض جذبات اجتماعیت ایسے ہیں، جو اسے اجتماعیت کا حصہ بناتے ہیں، جب کہ اس کے بعض جذبات انفرادیت کی طرف لے جاتے ہیں، چونکہ اس میں اجتماعیت پوری طرح کارفرما نہیں، اس لئے اجتماعی زندگی کی بہتری اور اس کی حفاظت کیلئے اسے پاکیزہ اخلاقیات کی ضرورت لاحق ہے، جس کی بنا پر لوگوں کے سامنے کامیاب اور بہتر زندگی کا صحیح لائحہ عمل پیش کیا جاسکے، اس کے مقابلہ میں شہد کی مکھیوں کیلئے کسی اخلاقی نصب العین اور معاشرتی تعاون کے نظریات پیش کرنا غیر ضروری ہے کیونکہ اجتماعیت ان کی زندگی میں پوری طرح موجود ہے۔ صحیح اخلاقیات کا مقصد یہی ہے کہ وہ انسان کی اندرونی زندگی یعنی داخلی تجربات اور نفسیاتی واردات کے ساتھ ساتھ اس کی خارجی زندگی میں بھی حداعتدال پیدا کرے۔

جس طرح مچھلی سمندر کے تہہ میں بیٹھتی ہے، اسی طرح نیک فرد اپنے قلب کی گہرائیوں میں اتر کر خود احتسابی سے کام لیتا ہے، اس خود احتسابی سے اگر اسے کوئی چیز رضائے

الٰہی کے خلاف نظر نہیں آتی تو پھر اسے کس چیز کا ڈر ہو، وہ کھانا کھاتا ہے تو بھوک کیلئے نہیں، وہ گھر بنا کر رہتا ہے تو آرام کیلئے نہیں، اس کا ہر فعل اللہ کی رضا کیلئے ہوتا ہے۔

ایسا فرد خوف وہراس سے محفوظ ہوتا ہے اسلام میں اللہ کی اس رضا جوئی کے نصب العین کو اتنی اہمیت حاصل ہے کہ لفظ اسلام کے معنٰی ہی اللہ کے آگے گردن جھکا دینا ہے۔

بلیٰ من اسلم وجهه لله وهو محسن فله اجره عند ربه ولا خوف عليهم ولا هم يحزنون۔ (ہاں، جس شخص نے اللہ کے آگے سر جھکا دیا اور وہ نیکوکار بھی ہے تو اس کا اجر اپنے رب کے پاس ہے، اس کو نہ کوئی خوف ہے نہ رنج وملال)۔

یہ نکتہ واضح ہونا ضروری ہے کہ جب تک اللہ، کائنات اور انسان کے متعلق بنیادی عقیدہ صحیح نہیں، تب تک کسی نظام اخلاق کی کامیابی سے چلنا ممکن نہیں، محض بیرونی عوامل سے اخلاقی قوانین لاگو کرنے سے پائیدار اصلاح نہیں ہو سکتی، ان قوانین کا انسانی ضمیر کی گہرائیوں میں جاگزیں ہونا ضروری ہے۔

آج انسانیت ہر طرح کے خلفشار کا شکار ہے، جرائم کی بہتات ہو گئی ہے، فکری انتشار میں غیر معمولی اضافہ ہو گیا ہے، چھوٹے سے چھوٹے مسائل پر ایک دوسرے سے تعلقات منقطع کرنے بلکہ تصادم کی فضا عام ہو گئی ہے، حالانکہ قوانین بھی موجود ہیں، انسانیت کے پاس قومی اخلاقیات کا ایک نظام بھی موجود ہے، اس کے باوجود انسانیت کا بے قراری کے انگاروں پر لیٹنے کا سبب یہ ہے کہ اخلاقیات کے پاکیزہ نظام کو انسانیت کے مزاج اور اس کے روح کا حصہ بنانے سے انکار کی روش غالب ہے، اس کی انسانیت جتنی بھی سزا بھگتے، کم ہے۔

مجاہدہ نفس (نفس کے خلاف جہاد) کی ضرورت،

اس کی خصوصیات اور ثمرات

ہر وہ شخص جسے نفس کے خلاف مجاہدوں کی سعادت حاصل ہوئی، اسے گویا سب سے بڑی سعادت عطا ہوئی، اس لئے کہ مجاہدوں کے بغیر نفس اللہ سے دور ہوتا ہے، اگر فرائض وواجبات کی ادائیگی کی اسے توفیق بھی حاصل ہوتی ہے تو وہ رسمی نوعیت کی ہوتی ہے اور نفس کی خرابیوں سے بچنا اس کے لئے نہ صرف محال ہوتا ہے، بلکہ عام طور پر اسے باطنی بُرائیوں کا ادراک بھی نہیں ہوتا، مجاہدہ نفس بالآخر فرد کے لئے اللہ تک رسائی کا ذریعہ بنتا ہے، نفس کی قوت بظاہر معمولی دکھائی دیتی ہے، لیکن وہ عملاً سارے درندوں سے زیادہ بہیمیت کی حامل ہے، محلہ کی سطح سے لے کر قوموں اور ریاستوں کی سطح تک ہونے والا سارا فساد نفسی قوت ہی کا برپا کردہ ہوتا ہے، اس لئے بندہ مومن کا سب سے بڑا جہاد نفس کے خلاف ہوتا ہے۔

اگرچہ نفس کے خلاف مجاہدہ کا کام کٹھن اور مشکل ترین کام ہے، لیکن یہ اس لئے ضروری ہے کہ فرد کی ساری انسانیت اسی کام سے وابستہ ہے، اس کے بغیر حرص وہوس کے بت مستحکم ہوتے ہیں اور اللہ سے دوری کی فضا پیدا ہوتی ہے اور دنیا اور مادی حسن سے بچاؤ کی صورتیں مسدود ہوتی ہیں اور فرد پست حالت میں زندگی گزارنے لگتا ہے، یعنی روحانی اور پاکیزہ اخلاقیات کے اعتبار سے وہ پست حالت سے نکلنے نہیں پاتا۔

مجاہدہ نفس ایک مسلسل عمل ہے، اس مسلسل عمل کے ذریعہ جب تک نفس قابل ذکر حد تک مہذب نہیں ہوتا اور اس کی خواہشات کی شدت میں غیر معمولی کمی واقع نہیں ہوتی اور

اس کا زور نہیں ٹوٹتا، تب تک مجاہدوں کا یہ عمل جاری رہتا ہے، لیکن اگر ماحول کے اثرات بد اور نفس کی اکساہٹ سے مجاہدہ نفس کا یہ عمل درمیان میں ہی منقطع ہو گیا تو نہ صرف یہ کہ فرد کی حاصل شدہ روحانی توانائی قائم اور برقرار نہیں رہتی، بلکہ وہ دینی اور اخلاقی طور پر مزید پست حالت میں چلا جاتا ہے، اس لئے کہ اللہ کی نعمت (مجاہدہ نفس کی توفیق حاصل ہونے کی نعمت) کی قدر نہ کرنے کی یہ سزا ہوتی ہے، ویسے بھی یہ بنیادی بات ہے کہ بڑا پہاڑ طے کرنے کے لئے آدھا راستہ طے ہونے کے بعد مزید آدھا راستہ طے نہ کرنے کے فیصلہ کے نتیجہ میں فرد راستے میں ہی لٹک جاتا ہے۔

مجاہدہ نفس کی توفیق کا حاصل ہونا اتنی بڑی سعادت ہے کہ دنیا میں اس سے بڑھکر کوئی سعادت ہو نہیں سکتی، جدید انسان کو یہ شکایت عام ہے کہ لوگ میری عزت نہیں کرتے، مجھ سے حسد کرتے ہیں اور مجھے نقصان پہنچانے کی ہر ممکن کوشش کرتے ہیں۔ ایسا ہوتا ہوگا، نفس پرست معاشرے میں ایسا ہی ہوتا ہے، تاہم فرد وافراد کی یہ شکایت زیادہ تر ان کے نفسی حالات کے عکاسی ہی ہوتی ہے، جب نفس کو تزکیہ کے مراحل سے گزارنے کے کام سے مجرمانہ غفلت برتی جاتی ہے تو ایسا ہی ہوتا ہے اور ہر شخص احساس کمتری یا احساس برتری اور خود اعتمادی کے بحران سے دوچار ہونے لگتا ہے۔ اور وہ اپنی کمزوریوں کے نتیجے میں حاصل شدہ فکری انتشار کو دوسروں پر تھوپنے لگتا ہے۔

مجاہدہ نفس کے کچھ ثمرات یہ ہیں، اللہ اور بندے کے درمیان حجابات دور ہوتے ہیں، قربت کے مقامات طے ہوتے رہتے ہیں، حکمت وبصیرت کی راہ میں حائل رکاوٹیں دور ہوتی ہیں، نگاہ میں وسعت اور گہرائی پیدا ہوتی ہے، سلیقہ انسانیت سے بہرہ وری ہوتی ہے، شخصیت کے منفی جذبات واحساسات پر مثبت احساسات غالب ہوتے ہیں۔ خیالی قوت

میں ٹھہراؤ پیدا ہوتا ہے۔ دین کے حوالے سے حساسیت میں اضافہ ہو جاتا ہے، زبان پر کنٹرول کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے، اللہ کی مخلوق سے محبت پیدا ہوتی ہے۔

قرآن کی ایک آیت ہے۔

والذین جاھدو فینا لنھدینھم سبلنا (سورہ العنکبوت آیت نمبر ۶۹) (اور جو لوگ ہمارے راستہ میں جدوجہد کرتے ہیں ہم ان کو ضرور راستہ دکھاتے ہیں)۔

ایک مفسر اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''یعنی جو لوگ اللہ کے واسطے محنت اٹھاتے اور سختیاں جھلتے ہیں اور طرح طرح کے مجاہدات میں سرگرم رہتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کو ایک خاص بصیرت عطا فرماتا ہے اور اپنے قرب ورضا کی راہیں سجھاتا ہے، وہ جوں جوں ریاضات ومجاہدات میں ترقی کرتے ہیں، اسی قدر ان کی معرفت میں درجہ بلند ہو جاتا ہے اور ان کو وہ باتیں سوجھنے لگتی ہیں کہ دوسروں کو ان کا احساس تک نہیں ہوتا۔ (تفسیر عثمانی، از مولانا شبیر احمد عثمانیؒ)

ایک دوسرے مفسر اس آیت کی تشریح میں لکھتے ہیں:

عرفان وسلوک کی وسعتیں بے انتہا ہیں، جس قدر اس کا قرب حاصل ہوگا، اسی تناسب سے نظروں میں وسعت پیدا ہوگی اور معلوم ہوگا کہ ہزار دو ہزار پردے درمیان میں حائل ہیں اور مقامات واحوال کی کثرت کا یہ عالم ہے کہ ان سب پر کسی شخص کا احاطہ ناممکن ہے، ہاں یہ ضرور ہے کہ جدوجہد کرنے والوں کے لئے اللہ کی طرف سے توفیق ہے اور سالک ایک قسم کی اعانت اور شفقت محسوس کرتا ہے بس ہمت اور حوصلہ شرط ہے۔ (تفسیر سراج البیان، مولانا محمد حنیف ندوی)۔

مجاہدہ نفس میں تین چیزیں شامل ہیں، ایک ذکر و فکر کے مجاہدے، دوسرے صحبت اہل اللہ کے ماحول سے وابستہ ہونا، تیسرے آتش عشق میں جلتے رہنا اور عرصہ تک کیفیات کے ادل بدل کی حالت میں رہنا (اللہ کے جلالی و جمالی صفات کے عکس کی حالت میں رہنا) مجاہدہ نفس میں یہ تینوں چیزیں شامل ہیں، مجاہدہ نفس کا یہ عمل جب عرصہ تک جاری رہتا ہے تو نفسی قوتوں کی گرفت سے بڑی حد تک آزادی ملنے لگتی ہے، اسی کو نفس کی فنائیت یا فنائے نفس کہتے ہیں۔ مجاہدہ نفس کا لازمی نتیجہ اسلامی شریعت پر عمل پیرا ہونے کی استعداد کا حاصل ہونا، اعمال صالحہ اور اخلاق حسنہ کا صادر ہونا ہے۔

اللہ کی رضا مندی کے مقصد کا پیش نظر ہونا، اللہ کے دھیان کا غالب ہونا، آخرت کی زندگی کے استحضار کا ہونا، تقویٰ اور خشیت کا ہونا، سکون اور سکینت کا حاصل ہونا، دل کا دنیا اور دولت سے سرد ہو جانا، اللہ کے بندوں سے محض اللہ کے لئے محبت کا ہونا، حمیت دین کا ہونا، دینی خدمت کے لئے ہونے والے سارے کاموں کو اپنے کام سمجھنا وغیرہ وغیرہ یہ ساری چیزیں ایسی ہیں، جو مجاہدہ نفس کا حاصل اور اس کے ثمرات ہیں۔

جس مجاہدہ نفس اور فنائے نفس کے ایسے عظیم ثمرات ہوں، اس کے لئے اگر ساری زندگی اور جسم و جان کی ساری توانائیاں بھی صرف کرنا پڑیں تو بہت سستا سودہ ہے، مولانا رومی کے مطابق محبوب، طالب سے ایک زندگی چھین کر آخر میں اسے سو نئی زندگیاں عطا فرماتے ہیں۔

سودائے عشق کے سچے خریدار نہیں ہیں، ورنہ محبوب حقیقی کی طرف سے تو ہر طرح کی نوازشوں اور انعامات سے نوازنے کی صورت موجود ہے۔

تلخی کی نفسیات اور معاشرے پر اس کے منفی اثرات

بعض افراد کی ایک کمزوری گفتگو میں تلخی کا ہونا ہے، حالات کا تجزیہ ہو یا دوست واحباب کا ذکر، اپنوں کا ذکر ہو یا غیروں کا، وہ جس پہلو سے بھی گفتگو کریں گے، ان کی گفتگو میں احساس اذیت، احساس کرب اور احساس تلخی نمایاں ہو گی، وہ نرمی، محبت اور مٹھاس والی گفتگو سے محروم ہوتے ہیں اور خود بھی احساس تلخی کے حامل ہوتے ہیں تو مجلس میں بھی اپنے اس احساس کو منتقل کرنے کا ذریعہ بنتے ہیں۔

یہ دراصل بڑی نفسیاتی بیماری ہے، جو فرد وافراد کی شخصیت کو اندر سے غصہ، اشتعال اور افراد معاشرہ کے خلاف غم اور رنجیدگی سے بھر دیتی ہے، اس نفسیاتی بیماری کا مریض تحمل، بردباری، اور نرمی کی صفات وصلاحیتوں سے محروم ہو کر، معاشرے میں احساس تلخی ہی کو فروغ دینے کا ذریعہ بنتا ہے۔

یہ نفسیاتی بیماری معاشرے میں نفسا نفسی کی بڑھتی ہوئی فضا اور اجتماعی زندگی میں نظام عدل کے خاتمہ کا ردعمل ہے، جو اس صورت میں ظاہر ہوتا ہے، اگرچہ اس کا علاج درد عشق کے ذریعہ نفسی قوتوں کو پامال کرنے سے وابستہ ہے، لیکن اس دور میں درد عشق کی بات کا سمجھنا ہی دشوار ہے، اس راہ پر آنا تو دور کی بات ہے۔

افراد کی احساس تلخی سے بھرپور گفتگو سے ان کے اندر میں موجود احساس کرب اور احساس اذیت کی جھلک ظاہر ہوتی ہے اور دل اذیت زدہ ہو جاتا ہے کاش کہ اس طرح کے قابل رحم افراد کی معاونت کی جائے اور ان کے احساس تلخی کو دور کیا جائے، لیکن حالات کس ڈگر پر گئے ہیں، اس میں چاہنے اور کوشش کے باوجود دردمند فرد کچھ کرنے سے قاصر ہوتا ہے۔

موجودہ دور کے انسان کو یہ بات کس طرح سمجھائی جائے کہ انسان کا اصل جوہر نرمی اور محبت کی صفت ہے، نرمی و محبت رخصت ہونے سے انسان جانوروں بلکہ درندوں کے مثل ہو جاتا ہے، نرمی اور محبت ایسی چیز ہے، جو اہل محبت کی صحبت و رابطے سے ہی پیدا ہوتی ہے یہ کہنا بجا ہوگا کہ احساس تلخی کی نفسیاتی بیماری اب عام ہوگئی ہے اور زندگی کے ہر موڑ پر افراد کی طرف سے اس کا مظاہرہ ہونے لگا ہے، اللہ ہماری حالت زار پر رحم فرمائے۔

آزاد ملک میں علماء کی ذمہ داری

کہتے ہیں جس قوم اور ملت کے پاس الگ اور آزاد وطن نہیں، اس کے مذہب اور تہذیب کی حفاظت نہیں ہو سکتی اور وہ حالت خطرہ میں رہتی ہے، پاکستان کا قیام دراصل اسی جذبے کا مرہون منت تھا، ہندستان کے مسلمانوں کی حالت پر نظر کی جائے تو معلوم ہوگا کہ وہ ہندی تہذیب کے شدید خطرات سے دوچار ہیں، امریکہ اور یورپ کے مسلمانوں کا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوگا کہ ان کی نسلیں تیزی سے مغرب کی مادہ پرست تہذیب کا شکار ہیں۔

پاکستان اس اعتبار سے غنیمت ہے کہ ہم آزاد ملک میں رہتے ہیں اور ہمارے مذہب اور تہذیب کو وہ خطرات لاحق نہیں ہیں، جو مسلمانوں کو اقلیتی ملکوں میں درپیش ہیں، تاہم عالمی مادی تہذیب کی گرفت اتنی مضبوط ہوتی جارہی ہے کہ ہمارا مذہب، ہماری تہذیب اور ہماری زندگی کا ہر شعبہ اس مادی تہذیب کے اثرات کی زد میں ہے، یوں محسوس ہوتا ہے کہ ہم بظاہر آزاد ہونے کے باوجود عملی طور پر آزادی سے محروم ہیں، اس لئے کہ ہماری معیشت کا انحصار عالمی اداروں کے سودی قرضے پر ہے، ہمارا تعلیمی نظام مغربی تعلیمی نظام سے ماخوذ ہے، جو سیکولر افراد تیار کرنے کا ذریعہ بن رہا ہے، ہمارے اہل سیاست، ہمارے اہل تجارت اور ہماری انتظامیہ سب کے سب مغرب کے اسی مادی نظام تعلیم کی پیداوار ہیں، اس لئے ان پر زندگی کا خالص مادی نقطہ نگاہ حاوی اور غالب ہے۔

ہماری سیاست جو طویل عرصے سے ابتری، انتشار اور خلفشار کا شکار ہے، اس کا سبب حب مال اور حب جاہ کے جذبات ہیں کہ ہر سیاسی جماعت چاہتی ہے کہ اقتدار کے سارے وسائل اسی کے پاس ہوں، تاکہ وہ لوٹ مار کے ذریعے مالدار سے مالدار تر بن سکیں، اس طرح حکومت کا حصول بجائے خود مقصود کی حیثیت اختیار کر چکا ہے، اہل سیاست کے باہمی ٹکراؤ نے ملک کی سلامتی کے لئے خطرات پیدا کر دیئے ہیں، ادھر ملک میں عرصہ سے دہشت گردی کی حالت موجود ہے، ان حالات میں علماء کا طبقہ ہی وہ واحد طبقہ ہے، جو فکری طور پر مغرب کی مادی تہذیب سے نہ صرف متاثر نہیں ہے، بلکہ وہ اس تہذیب کا نقاد ہے، ضرورت ہے کہ موجودہ حالات میں علماء اپنی ذمہ داریاں محسوس کرتے ہوئے معاشرے میں خیر سگالی کو فروغ دینے، لوگوں سے اپنے رابطہ کو گہرا کر کے، ان کی دینی اور اخلاقی تربیت کرنے اور نوجوان نسل کے اسلام پر اعتماد کو بحال کرنے کے لئے بھرپور کردار ادا کریں۔

علماء کرام کی ذمہ داریوں کے موضوع پر مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نے ۱۹۷۴ء میں پاکستان میں اپنے دورے کے موقعے پر علماء سے خطاب کرتے ہوئے درد دل سے کچھ معروضات فرمائی تھی، مولانا کی یہ تقریر ''تحفہ پاکستان'' کے نام سے کتاب میں موجود ہے، مولانا کی یہ تقریر علماء کرام کو جھنجھوڑ کر، اپنا کردار ادا کرنے کے سلسلہ میں نہایت مؤثر تقریر ہے، اس کی اہمیت کے پیش نظر ہم اس کے طویل اقتباسات پیش کر رہے ہیں، اگرچہ یہ تقریر ۱۹۷۴ء میں کی گئی تھی، لیکن معلوم ہوتا ہے کہ موجودہ حالات پر نبض رکھکر اس کے علاج کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔

''عزیزانِ گرامی! دنیا کے صالح وصحتمند تغیرات وانقلابات اور انسانی عزیمت کی فتوحات کی تاریخ پر اگر کوئی کتاب مستقل طور سے لکھی جائے تو نائبین انبیاء اور افراد امت کی زبان سے جو جملے نکلے ہیں، ان میں ایک جملے کو سب سے نمایاں اور ممتاز مقام دیا جائے گا اور اس کو آب زر سے لکھا جائے گا۔ یہ جملہ ایسا ہے جس نے حالات کی رفتار کو ایسا بدلا ہے، جس کی مثال ملل وادیان کی تاریخ میں ملنی مشکل ہے۔ جزیرۃ العرب کے ایک حصہ میں اور بعض قبائل میں ارتداد نے سر اٹھایا۔ یہ نازک ترین مرحلہ تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دنیا سے تشریف لے جانے کے قریب ہی زمانہ میں اسلام کے قلب وجگر میں ایک شگاف پیدا ہو رہا تھا۔ یہ بڑی نازک صورت حال تھی۔ ابھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا سے پردہ فرمایا ہے اور اس کو کچھ ہی مہینے گزرے ہیں کہ عرب جن کو ساری دنیا میں اسلام پھیلانا تھا اور جن کو ایک امت مبعوثہ کی طرح اسلام کی دعوت دینی تھی، وہ خود ارتداد کے خطرے سے دوچار ہو رہے ہیں۔ ایسا نازک وقت پوری تاریخ اسلام میں (وفات نبوی کے بعد سے اس وقت تک) نہیں آیا۔ اُس وقت حضرت ابو بکر صدیقؓ کی زبان سے ایک فقرہ نکلا، جس نے تاریخ کا رخ اور واقعات کا دھارا بدل دیا اور خطرے کا کہرا اس طرح پھٹ گیا، جس طرح آفتاب کے نکلنے سے چھٹ جاتا ہے۔ آپ نے فرمایا (اور تاریخ نے اسی طرح ان الفاظ کو تبرک اور امانت سمجھ کر محفوظ کر لیا ہے) **''اینقص الدین وانا حی''** (کیا دین میں کوئی قطع وبرید ہو سکتی ہے اور میں زندہ ہوں) ابو بکر زندہ ہو اور پھر اللہ اور رسول اللہ کے دین میں کوئی قطع وبرید ہو، کوئی کتر بیونت ہو، کوئی انتخاب کا مسئلہ ہو کہ اس رکن کو لیں گے اور اس رکن کو

چھوڑیں گے۔ آپ کو معلوم ہے کہ اسی وقت منع زکوٰۃ کا فتنہ نمودار ہوا تھا، مسیلمہ کذاب نے نبوت کا دعوی بھی کیا تھا اور ساتھ ساتھ ارتداد پھیلنا شروع ہو گیا تھا، چند مقامات کا نام آتا ہے، مثلاً مدینہ طیبہ، جُراثی اور بعض مقامات کا کہ وہاں ارتداد کے اثرات نہیں پھیلے تھے، ورنہ گویا پورا جزیرۃ العرب ارتداد کی لپیٹ میں آرہا تھا، اس وقت اللہ کے ایک بندے نے اپنی زبان سے یہ کہا۔ یہ تو الفاظ ہیں، لیکن الفاظ کے ساتھ جو دلی درد اور جوش تھا، اس کو تو تحریر میں نہیں ادا کیا جاسکتا۔ یہ ان کے دل کی آواز تھی اور ان کے جذبات کا نقطۂ عروج تھا۔ جس طرح سے کوئی جام لبریز ہو جاتا ہے تو جھلک جاتا ہے، زمین پر جو قطرے گرتے ہیں وہ ان الفاظ کی شکل میں ہیں۔ (تحفہ پاکستان صفحہ ٦٦۔٦٧)

''یہ وراثت ہے جو امت کی طرف عمومیت سے اور نائبین رسول اور علماء حقانیین کی طرف خصوصیت سے منتقل ہوئی، یعنی ان کو سمجھنا چاہئے کہ ہمارے ہوتے ہوئے کسی ملک میں اسلام کا زوال کسی طرح سے قابل برداشت کیا، قابل تصور بھی نہیں۔ ہم کسی ملک میں موجود ہوں اور وہاں اسلام کا زوال ہو جائے۔ یہ بات ممکن نہیں، یہ احساس بنیاد ہے سارے انقلابات اور دینی جدوجہد کی تاریخ کی۔ آپ دعوت وعزیمت کی تاریخ پڑھتے ہیں، امام احمد بن حنبل کے خلق قرآن کے عقیدے کے خلاف سربکف ہو جانے میں، امام ابوالحسن اشعری کے اعتزال کے مقابلہ میں صف آراء ہو جانے میں۔ امام غزالی کے باطنیت اور مادیت کے مقابلہ اور اسلامی معاشرے کے مختلف طبقات وعناصر کے دینی احتساب کے کارنامہ میں، شیخ الاسلام ابن تیمیہ کے رد روافض میں، بعض کلامی مسائل کی تفتیح کی شکل میں، ہندوستان کے اس ایک

تجدیدی کارنامہ میں، جو تقریباً چار سو سال کی مدت پر پھیلا ہوا ہے اور جس کے اثرات ابھی تک زندہ ہیں، شاہ ولی اللہ کی مصلحانہ اور مجددانہ دعوت میں، حضرت سید احمد شہید اور اکابر دیوبند کے اپنے اپنے وقت میں اور رنگ میں اصلاحی وتربیتی جدوجہد اور اشاعت کتاب وسنت اور عقائد صحیحہ کی سرگرمی میں، یہی احساس کام کر رہا تھا، جس کی ترجمانی صدیق امت نے کی تھی اور ہر دور کے نائبین رسول کو یہ روشنی دکھائی تھی **''وجعلها كلمة باقية فى عقبه لعلهم يرجعون۔''** (صفحہ ٦٨)

آزاد ملک میں علماء کی ذمہ داری

اس روشنی میں علماء اپنا احتساب کریں، کہ انہوں نے اس جملہ کو کہاں تک اپنا اصول اور دستور العمل بنایا؟ وہ یہ دیکھیں کہ ان کے ہوتے ہوئے ان کے ملک میں اسلام یا اسلامی معاشرے کے زوال کا کوئی جواز ہے؟ مسلمانوں کی پچھلی تاریخ میں ہمارے سامنے بڑی عبرتناک مثالیں ہیں۔ جن ملکوں میں اسلام کا زوال ہوا، یا وہاں دشمن اسلام طاقتیں غالب آئیں، آپ اگر تحقیق کریں گے تو ان میں کچھ ایسی چیزیں پائیں گے، جن سے اس دور میں سبق لیا جاسکتا ہے۔ ان میں ایک چیز تھی علماء کا شدید اختلاف اور دوسری چیز یہ تھی کہ علماء کا عوام سے رابطہ نہیں تھا، ان کی شخصیتیں اتنی مؤثر نہیں رہ گئی تھیں کہ عوام کے قلوب میں دین کا احترام اور علماء کا وقار قائم رکھتیں۔ وہ ملک جس نے خواجہ بہاء الدین نقشبندی کو پیدا کیا، جس نے خواجہ عبید اللہ احرار کو پیدا کیا، وہ ملک طاقتور روحانی شخصیتوں سے خالی ہو گیا تھا، معیار زندگی بہت بلند ہو گیا تھا، مادیت اپنے عروج پر تھی۔ ابھی تک امیر بخارا کا محل باقی ہے اور کمیونسٹ حکومت اسے دکھاتی ہے کہ دیکھئے کس طرح دولت جمع کی گئی تھی، کس طرح سونے چاندی کے ظروف تھے۔ بقول ان کے عوام بھوکے مر رہے تھے اور امیر بخارا کے محل میں یہ چیزیں تھیں۔ اسی طریقہ سے آپ اندلس کی تاریخ میں مدینتہ الزھراء اور قلعتہ الحمراء کی تفصیلات پڑھیں، خواب وخیال اور جن وپری کی باتیں معلوم ہوتی ہیں۔ وہاں دو بڑے عنصر اسلام کے زوال کا باعث ہوئے ہیں، ایک معیار زندگی کی بلندی اور اللہ کی دی ہوئی دولت کا غلط استعمال اور دوسرے یہ کہ اشاعت اسلام اور معاشرے کو اسلامی بنانے کے بجائے انہوں نے فنون لطیفہ، شعر وشاعری اور ادبیات وغیرہ پر ساری توجہ مرکوز کر دی تھی، تیسری بات یہ ہے کہ حاکم خاندان میں حکومت کے لئے رسہ کشی شروع ہو گئی، سیاسی پارٹیوں کا وہ عہد نہیں ہے، اب اس کی جگہ سیاسی پارٹیوں نے لے لی ہے، یہ تین عنصر تھے، اندلس کے زوال

کے۔ (اس پر اضافہ کیجئے اخلاقی زوال کا) آپ اگر ''صبح سمرقند'' کتاب پڑھیں تو آپ کو معلوم ہو گا کہ وہاں کیا اخلاقی زوال اور انحطاط پیدا ہو گیا تھا۔ (تحفہ پاکستان صفحہ ۶۹)

''اپنے اس تاریخی مطالعہ اور عالم اسلام سے قریبی واقفیت کی بناء پر کہتا ہوں کہ اعتقادی اور سیاسی انتشار اس ملک کے لئے سخت خطرناک ہے۔ یہاں مذہبی گروہ ایک دوسرے سے دست وگریباں ہیں۔ بعض بحثیں جو علمی انداز میں ہو سکتی تھیں، ان کو عوام میں لے آیا گیا ہے اور ان کی بنیاد پر متحارب کیمپ اور متوازی محاذ بن گئے ہیں۔ یہ سخت خطرناک بات ہے۔ میں بھی اسی گروہ سے تعلق رکھتا ہوں جس سے آپ کا تعلق ہے۔ میرے احساسات بالکل وہی ہیں، جو آپ کے ہیں اور صرف احساسات نہیں، بلکہ ہمارے بزرگوں نے تو وہ جھنڈا بلند کیا، جس کی وجہ سے ہم کو نئے نئے لقب ملے اور سخت مشکلات اور مخالفتوں کا سامنا کرنا پڑا، لیکن اگر زمین ہی پاؤں کے نیچے سے نکل گئی تو پھر یہ عمارتیں کس پر قائم ہوں گی؟ ایک گروہ یہ ثابت کرنے کی فکر میں ہے کہ پاکستان ہم نے بنایا ہے، دوسرا گروہ ثابت کرتا ہے کہ ہم حق پر ہیں اور ہمارا ہی اس ملک پر اقتدار اعلیٰ ہونا چاہئے۔ اگر ٹٹولا جائے (معاف کیجئے گا میں کسی پر حکم نہیں لگاتا) تو اس کے پیچھے حُبّ جاہ کا جذبہ نکلے گا۔ ہمارے بزرگوں نے ملک میں دین کو بچانے کے لئے بڑی قربانی دی ہے اور ضرورت پڑی ہے تو اپنی غلطی تسلیم کر لی ہے اور دب گئے ہیں، جھک گئے ہیں اور نیچے اتر آئے ہیں، انہوں نے صاف کہہ دیا ہے کہ بھائی آپ ہی اوپر بیٹھئے، مگر دین باقی رہ جائے، یہ ہمارے بزرگوں حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کے مسلک اور ان کے مکتب فکر کے لوگوں کی ہندوستان میں یہی روایت رہی ہے۔ آپ درس کے حلقوں اور علمی مجلسوں میں اختلافی مسائل پر آزادی کے ساتھ گفتگو کیجئے، ان مسائل پر کتابیں لکھئے، مگر ملک کو داؤ پر نہ لگائیے، جب کوئی ایسا محاذ قائم کیا جاتا ہے اور اس طرح کی دعوت دی جاتی ہے، جس میں احساس برتری یا اظہار برتری ہوتا ہے، تو اس کے مقابل دوسرا محاذ بن جاتا ہے اور وہاں سے صدائے ''ہم چوں من دیگرے نیست'' بلند ہونے لگتی ہیں۔ ہمارے بزرگوں کا سارا کام

تواضع کے ساتھ تھا، اہتمام نفس کے ساتھ تھا، ''ایمان واحتساب'' کے ساتھ تھا۔ ان کو سیادت وقیادت کا دعویٰ تھا اور نہ یہ کہ ہماری جماعت ہی نے سب کچھ کیا ہے اور ہمیں سب کچھ ہیں۔ حضرت مجدد الف ثانی کے مکاتیب پڑھئے۔ حضرت شاہ ولی اللہ کے مکاتیب پڑھئے، ہندوستان کے اس دور میں جب مسلمانوں کے اقتدار کا چراغ ٹمٹمارہا تھا اور سلطنت مغلیہ دم توڑ رہی تھی، اس وقت انہوں نے احمد شاہ ابدالی، نجیب الدولہ وغیرہ کو جو خطوط لکھے ہیں، ان کو آپ پڑھئے، ان میں کیا درد ہے۔ احمد شاہ ابدالی کو، شاہ ولی اللہ صاحب نے ایک مفصل خط لکھا ہے، اس میں بتایا ہے کہ مسلمان اس وقت کس بے بسی کی حالت میں ہیں۔ اس میں انہوں نے کیا مؤثر جملہ لکھا ہے، جس سے ان کی دردمندی اور اخلاص ٹپکتا ہے۔

(میں رسول اللہ کو شفیع بناتا ہوں کہ اللہ کے لئے ہندوستان کے مسلمانوں پر رحم کیجئے اور ایک مرتبہ آجایئے) چنانچہ احمد شاہ ابدالی انہیں کی دعوت پر آئے اور انہوں نے مرہٹہ طاقت کی ایسی کمر توڑی کہ آج تک وہ پورے طور پر سر نہیں اٹھا سکی۔ یہ شاہ ولی اللہ دہلویؒ ہی تھے اور ان کا درد تھا، اور ان کی بصیرت تھی، جس نے ہندوستان کا نقشہ بدل دیا۔ آپ انہیں کی طرف اپنی نسبت کرتے ہیں۔ اس نسبت کا تقاضا ہے کہ ملت اور دین کے لئے جس ایثار وقربانی کی ضرورت ہے، وہ پیش کیجئے اور صاف کہئے کہ اچھا بھائی تم ہی صحیح، تمہارا ہی کارنامہ سب سے بڑا ہے، ہم سب مل کر اس ملک کو بچائیں۔ موجودہ خطروں اور اندیشوں میں اس کی کیا گنجائش ہے کہ علماء اس طرح دست وگریباں ہوں۔ یہ بات میں اپنے عقائد کے پورے تحفظ کے ساتھ کہتا ہوں، الحمدللہ ایک شوشہ سے دستبردار ہونے کے لئے تیار نہیں، نہ عبادت کے مسائل میں، نہ اپنے عقائد کے اصول میں، کسی چیز میں کسی مفاہمت کے لئے میں تیار نہیں۔ ایک تو اپنا عمل ہے اور ایک یہ کہ اکھاڑ بنادیا جائے، عوام کو آلۂ کار بنایا جائے اور سارے ملک کو میدان

جنگ میں بدل دیا جائے۔ ایک کانفرنس ہورہی ہے یا رسول اللہ کی اور ایک کانفرنس ہورہی ہے محمد رسول اللہؐ کی، یہ جینے کی باتیں نہیں، اس موقع پر اقبال کا شعر مجھے یاد آرہا ہے۔

کسے خبر کہ سفینے ڈبو چکے کتنے
فقیہ وصوفی ومُلا کی ناخوش اندیشی

(صفحہ ۷۰۔۷۱)

دوسری بات یہ ہے کہ عوام کے ساتھ آپ کا رابطہ ہونا چاہئے۔ میں نے محسوس کیا کہ علماء کا عوام سے جو ربط ہونا چاہئے اس میں کمی ہے، بلکہ میں کہہ سکتا ہوں کہ ہندوستان میں علماء کا عوام سے ربط یہاں سے زیادہ ہے۔ وہاں سیاسی میدان میں بھی، علمی ادبی اور تحقیقی میدان میں بھی علماء پیش پیش ہیں اور ان کا مقام تسلیم کیا جاتا ہے۔ وہاں کا اعلیٰ تعلیم یافتہ (Intellectual Class) علمائے سے متوحش نہیں ہے، ہم ادبی اور علمی مجلسوں میں جاتے ہیں اور الحمدللہ وہاں ہم کو عزت کے ساتھ لیا جاتا ہے، عوام سے آپ کا ربط بڑھنا چاہئے۔ ایسا نہ ہو کہ عوام آپ کے ہاتھ سے نکل جائیں۔

تیسری بات جو عرض کرنا چاہتا ہوں وہ یہ کہ ہماری زندگی عوام کی زندگی سے ممتاز ہو، دیکھنے والا کھلی آنکھوں دیکھے کہ دنیا کے طالب نہیں ہیں، ان کے یہاں مال ودولت معیار نہیں ہے۔ ہمارے کام زیادہ تر حسبتہ اللہ ہوں، جیسا کہ ہمارے اسلاف کا طریقہ رہا ہے، جب تک ہمارے طبقۂ علماء میں یہ اخلاقی امتیاز نہ ہوگا، ایثار کا مادہ نہ ہوگا، ان کی شخصیت مؤثر اور قابل احترام نہیں ہوگی، دل ودماغ میں دین کا گہرا اثر اور وقار نہیں ہوگا۔ علماء کا وقار اس سے نہیں بڑھے گا کہ یہ مدرسہ کتنا بڑا ہے، وہ مدرسہ اتنا بڑا ہے، وہاں اتنے طالبعلم پڑھتے ہیں اور وہاں کے جلسے اتنے کامیاب ہوتے ہیں۔ اس سے علماء کا وقار نہیں قائم ہوگا۔ علماء کا وقار قائم ہوتا

ہے ذاتی نمونے سے۔ عوام جب دیکھتے ہیں کہ یہ چیز ایسی ہے کہ اس پر جان دے دی جائے لیکن علماء اس کو ہاتھ لگانا بھی گناہ سمجھتے ہیں، وہ اس کو خاطر میں نہیں لاتے۔ ہم نے سمجھا ہے کہ دولت سب سے بری چیز ہے، ان کے یہاں دولت کی کوئی حقیقت نہیں ہے، جیسا کہ حکیم الامت حضرت تھانویؒ نے نواب صاحب ڈھاکہ کو جواب دیا تھا۔ نواب صاحب نے کہلوایا کہ آپ مجھ سے مل لیں۔ حضرت نے کہلوایا کہ نواب صاحب سے کہنا کہ آپ کے پاس جو چیز ''دولت'' ہے وہ میرے پاس بقدر ضرورت موجود ہے، لیکن میرے پاس جو چیز ہے وہ آپ کے پاس بقدر ضرورت بھی نہیں ہے۔ اس لئے آپ کو آنا چاہئے۔ مجھے آنے کی ضرورت نہیں۔ (صفحہ ۷۳)

تعمیر معاشرہ کا کام

اور ائمہ مساجد

معاشرے میں خیر و بھلائی کی جو تھوڑی بہت فضا موجود ہے، وہ بیشتر دینی مدارس کے فارغ علماء کرام (جو ائمہ مساجد بھی ہیں) ان کی مرہون منت ہے، ائمہ مساجد کا یہ کردار از حد قابل قدر ہے کہ وہ کم سے کم مالی وسائل کے باوجود اپنا کلی وقت خدمت مساجد کے کاموں میں صرف کر رہے ہیں، پانچ وقت کی نماز کی امامت کا مطلب اپنے آپ کو چوبیس گھنٹے کے لئے ذہنی طور پر پابند بنانا ہے، تعمیر معاشرہ کے لئے ائمہ مساجد جو کردار ادا کر رہے ہیں، وہ قابل تعریف ہونے کے باوجود ناکافی ہے، علماء کرام اپنے کردار کو مزید بہتر بنا سکتے ہیں۔ اس سلسلہ میں درج ذیل مضمون میں انہیں توجہ دلانے کی کوشش کی گئی ہے، اللہ کرے اس کوشش کو دردمندانہ گزارشات کی حیثیت سے دیکھا جائے۔ (مرتب)

ملک بھر میں لاکھوں مساجد ہیں، ان مساجد کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے علماء کرام کو یہ موقعہ فراہم کیا ہے کہ وہ لوگوں کی بڑی تعداد کی بہتر ذہن سازی اور کردار سازی کا کارنامہ سرانجام دے سکتے ہیں، اس طرح وہ معاشرہ کے بڑھتے ہوئے فساد کے روک تھام میں اہم کردار ادا کر سکتے ہیں۔

ائمہ مساجد کو جو پلیٹ فارم حاصل ہے، وہ ایسا موثر پلیٹ فارم ہے، جو موجودہ الیکٹرانک میڈیا سے بھی زیادہ موثر پلیٹ فارم ہے۔

الیکٹرانک میڈیا مادہ پرستی کے زہریلے اثرات سے اتنا بھرا ہوا ہوتا ہے کہ اس کے ذریعہ اصلاح اور تعمیر کا کام کم، مادہ پرستی اور مادی حسن سے فریفتگی کا کام زیادہ ہوتا ہے۔ جب کہ مسجد کا نورانی ماحول ہوتا ہے اور مسجد کی طرف لوگوں کا بالخصوص جمعہ کے دن رجوع بھی ہوتا ہے۔

اگر خطبۂ جمعہ کے موقعہ پر ہونے والی تقریر میں جدید افراد کی ذہنی سطح کو پیش نظر رکھا جائے اور جدیدیت کے پس منظر میں ان سے جدید اسلوب میں گفتگو کی جائے تو مسجد کا یہ پلیٹ فارم معاشرے کی بہتر اصلاح کا ذریعہ بن سکتا ہے، لیکن اس کے لئے درج ذیل چیزوں کی ضرورت ہے۔

(۱) بالخصوص شہروں کی مساجد کے ائمہ کرام کو اپنی ذہنی سطح کو جدیدیت کی پیدا کردہ ذہنی سطح سے ہمہ آہنگ کرنا پڑے گا۔

یعنی جدید علمی اسلوب کو اختیار کرنا پڑے گا، جس طرح غیر مسلموں کو اسلام کی دعوت دینے کے لئے ان کے ذہنی اشکالات اور ان کے ذہنی سانچہ کو پیش نظر رکھنا پڑتا ہے، اسی طرح جدید پڑھے لکھے افراد کا جو ایک خاص ذہنی سانچہ ہے، اس کو سامنے رکھکر ان سے مخاطب ہونا ضروری ہے۔

اس کے لئے انہیں جدید دور کے اسلامی مفکروں بالخصوص مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی فکر کا گہرا مطالعہ کرنا پڑے گا۔

(۲) مسلمانوں کے عروج وزوال کے اسباب، دور جدید کی سیکولر فکر کی وسعت وگہرائی، آزاد خیالی کی ہمہ گیر تحریک، مسلمانوں میں پیدا شدہ روشن خیالی، عالمی سطح سے اٹھنے والی نظریاتی ارتداد کی فکری لہروں کا فہم، مادیت اور مادی زندگی کو نصب العین بنانے کا جدید

طرز فکر وغیرہ ان ساری چیزوں کی نوعیت کو سمجھنے اور اس چیلنج سے عہدہ برآ ہونے کے لئے اسلامی فکر کو بہتر طور پر پیش کرنے کی صلاحیت کا حامل ہونا انتہائی ضروری ہے۔

(۳) جدید نوعیت کے چیلنج سے نمٹنے کے لئے اضطراب، بے قراری اور حمیت دین کا ہونا بھی ضروری ہے کہ اس کام کی صلاحیتیں پیدا کئے بغیر چین ہی نہ آئے۔

(۴) باطنی صلاحیتوں کی بیداری، تزکیہ نفس اور روحانیت کے اجزاء کا ہونا بھی ناگزیر ہے، اس سے جہاں قول اور عمل میں مطابقت پیدا ہوگی، وہاں حکمت، فہم وفراست اور بصیرت پیدا ہوگی اور گفتگو میں سوز وساز اور تاثیر پیدا ہوگی۔

(۵) جب تک جدید افراد کی بہتر ذہن سازی کا کام نہ ہو، تب تک فروعی اور جزوی مسائل میں وقت صرف کرنے یا انہیں ترجیح دینے سے پرہیز اختیار کرنا چاہئے۔

(۶) اختلافی نوعیت کے مسائل سے بھی حتی الامکان بچنے کی کوشش ہونی چاہئے، اس سے امت میں پیدا شدہ تفریق اور فاصلوں کے رجحان میں کمی واقع ہوگی۔

(۷) مسلم نفسیات کو سمجھنا بھی ضروری ہے، اس سلسلہ میں حکیم الامت حضرت مولانا تھانویؒ نے اس دور میں جو کام کیا ہے، وہ اپنی نوعیت کا منفرد کام ہے، زندگی کے ہر موڑ پر اور صبح سے رات گئے تک کے حالات معاملات اور مسائل میں بندہ مومن کے لئے راہ عمل کیا ہونا چاہے اور افراد سے گفتگو اور معاملہ کرتے وقت کیا سلیقہ اختیار کرنا چاہئے، مولانا تھانوی کی کتابوں میں ان سارے معاملات میں بہتر رہنمائی موجود ہے۔ ان کی کتابوں کا وسعت نظر سے مطالعہ ہونا بھی ضروری ہے۔

یہ نکتہ سمجھنا ضروری ہے کہ قرآن وسنت کے اسلام کے تسلسل کو قائم اور برقرار رکھنا علماء کی ذمہ داریوں میں شامل ہے، نیز اسلام کے تسلسل کی راہ میں وقت کے الحادی وارتدادی

نظریات بعض اوقات شدید رکاوٹ ثابت ہوتے ہیں، یہ نظریات کروڑہا افراد کی گمراہی کا ذریعہ بن جاتے ہیں، جس طرح جدید مادی اور سیکولر نظریات لگ بھگ پچھلے دو سو سالوں سے خود کروڑہا مسلمانوں کی گمراہی اور ان کی تجدد پسندی کا باعث بنے، اس لئے ان نظریات کے سحر کو توڑ کر، جدید نسلوں کا اسلام پر اعتماد بحال کرنا، وقت کی اہم ضرورت ہے، وہ علماء کرام جو اس کام کو سرانجام دیں گے، وہ اسلام کے تحفظ وبقا کا کارنامہ سرانجام دیں گے۔

ہمارا مشاہدہ ہے کہ بعض علمائے کرام مذکورہ صفات وصلاحیتوں سے بہرہ ور ہیں، وہ جمعہ کی تقاریر میں ان چیزوں کو پیش نظر رکھتے ہیں، الحمدللہ ان کی کوششوں سے جدید طبقات کی زندگی کا رنگ ڈھنگ اور طرز فکر بدلنے لگا ہے۔

اسم ذات کے ذکر سے

سفر زندگی شروع کرنے کے اثرات

اللہ کے اسم ذات کا ذکر وہ جوہر ہے، جس سے فرد کی شخصیت سے ظلمات مٹ کر شخصیت پاکیزگی کا نمونہ بن جاتی ہے اور ذکر کے نور سے سرشار ہونے لگتی ہے، اللہ کے اسم ذات کے ذکر کی مثال اس غار کی سی ہے، جس میں شیاطین اور فرد کی نفس کی قوت رہتی ہو، اس غار سے شیاطین اور نفس کی قوت کو نکالنے کے لئے جتنے بھی جتن کئے جائیں، جتنی بھی کاوشیں کی جائیں، اور مجاہدوں سے کام لیا جائے، لیکن یہ شیاطین اور نفس کی قوت جان چھوڑنے کے لئے تیار نہیں ہوتی، لیکن فرد جوں ہی اللہ کے اسم ذات کا ذکر کرنے لگتا ہے، اس سے بجلی کی ایسی رَو دوڑنے لگتی ہے، جس سے یہ شیاطین اور نفسی قوت راہ فرار اختیار کرنے پر مجبور ہو جاتی ہیں، اس لئے کہ اسم ذات کا ذکر بجلی بن کر ان پر گرنے لگتا ہے۔

اللہ کا اسم ذات ہی کائنات کی اصل اور اس کا جوہر ہے، کائنات کی تخلیق اور موجد ہستی بھی اللہ ہی ہے، قرآن بھی اللہ ہی کی کتاب ہے، اس ہستی کے اسم ذات کے ذکر کے ذریعہ جب فرد سفر زندگی شروع کرتا ہے، تو زندگی میں معنویت اور تابانی پیدا ہونے لگتی ہے، ایک وقت ایسا آتا ہے کہ اسم ذات کا نور فرد کی شخصیت کا احاطہ کرنے لگتا ہے۔

اس طرح نفس کی ظلمات سے بڑی حد تک بچاؤ کی صورت پیدا ہونے لگتی ہے، اگر افراد معاشرہ کا قابل ذکر حصہ اسم ذات کے ذکر سے سفر زندگی شروع کرے تو معاشرہ ظلمات اور فساد سے بچکر پاکیزگی سے عبارت ہو جاتا ہے۔

اللہ کے اسم ذات کے ذکر میں جو حسن، جو نور اور جو توانائی موجود ہے، وہ دوسرے کسی نام میں موجود نہیں، اس ذکر سے فرد کو ایک نئی زندگی عطا ہوتی ہے، **ولذکر اللہ اکبر** (اللہ کا ذکر بہت بڑی بات ہے) اسے معمولی نہ سمجھا جائے، **ورضوان من اللہ اکبر** (اور اللہ کی رضامندی بہت بڑی بات ہے) اللہ کی یہ رضامندی **ولذکر اللہ اکبر** کے ذریعہ ہی حاصل ہو سکتی ہے، اور قرآن وسنت پر پوری طرح عمل پیرا ہونے کی استعداد بھی اسی سے حاصل ہو سکتی ہے۔

معاصر شخصیتوں کے خلاف حاسدانہ نفسیات

نفس کا پوری طرح تزکیہ نہ ہونے کا ایک بڑا نقصان جو فرد، افراد اور معاشرہ کو بھگتنا پڑتا ہے، وہ یہ ہے کہ افراد، حاسدانہ نفسیات کے مریض ہو جاتے ہیں اور معاشرہ انتشار اور ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو جاتا ہے اور ایک دوسرے کے خلاف حاسدانہ کارروائیوں میں اضافہ ہونے لگتا ہے، حسد اور جلن ایسی بیماری ہے، جس پر غیر معمولی ریاضتوں کے بغیر قابو نہیں پایا جاسکتا۔ اس لئے کہ یہ حاسدانہ جذبہ نفس کے لوازمات میں شامل ہے، فرد چاہتا ہے کہ میرے ہوتے ہوئے سیاست، علمی وادبی دنیا، روحانی دنیا سماجی خدمت کے میدان وغیرہ میں دوسری شخصیتوں کو شہرت، عزت اور ناموری حاصل ہو، یہ مجھے قبول نہیں، اگر ایسا ہوگا تو یہ میری عزت، شہرت، علمی وروحانی حیثیت کے لئے چیلنج کے مترادف ہوگا۔

چنانچہ ہمارا مشاہدہ ہے کہ دانشور، صاحب علم شخصیت، سیاستدان، وغیرہ ایک دوسرے کو نہ صرف دل سے قبول کرنے کے لئے تیار نہیں، بلکہ وہ ایک دوسرے کو گرانے کے لئے کوشاں ہوتے ہیں، اگرچہ بظاہر مصلحتوں کی خاطر ایک دوسرے کی تکریم ہی کا معاملہ کرتے ہوں، لیکن بباطن وہ ان کے وجود کو اپنی حیثیت اور اپنی عزت وتکریم کے لئے خطرہ محسوس کرتے ہیں۔

اس معاملے میں انسانی نفسیات اتنی پیچیدہ ہے کہ تصوف کی ریاضتیں کرنے والے افراد کا نفس بھی برسوں کے مجاہدوں کے باوجود معاصرانہ چپقلش سے محفوظ نہیں ہوتا، البتہ فنائے نفس کے مقام تک رسائی کے بعد کہیں جاکر حسد وجلن کی آگ بڑی حد تک بجھ جاتی ہے اور دل میں معاصرانہ شخصیتوں کی حقیقی تکریم پیدا ہونے لگتی ہے۔

حاسد کو اس بات سے بحث نہیں ہوتی کہ اس کی اس بیماری کی وجہ سے معاشرہ میں تفریق پیدا ہوتی ہے اور معاشرہ شدید خلفشار کا شکار ہوتا ہے، بلکہ اسے اپنے جذبۂ حسد وجلن کی

تکمیل سے غرض ہوتی ہے، کہ اس کی معاصر شخصیت بے وقار وبے عزت ہو جائے، تاکہ عزت وناموری اسی کے ساتھ مخصوص ہو جائے۔

حسد وجلن جیسی بیماریوں کی اس سنگینی کی وجہ سے نفس کی پاکیزگی کے لئے زیادہ سے زیادہ مجاہدوں سے کام لیا جائے، تاکہ نفس کی حالت میں بنیادی تبدیلی واقع ہو اور وہ انسانیت کے آداب واحترام کا خوگر ہو جائے اور سلیقہ انسانیت کا حامل ہو جائے۔

حسد کی بیماری اگرچہ عام لوگوں میں بھی ہوتی ہے، لیکن معاشرہ کے مؤثر طبقات سے وابستہ افراد میں یہ بیماری بہت زیادہ شدید ہوتی ہے، مؤثر طبقات کی حسد کی بیماری معاشرہ کو اندر سے ٹوٹ پھوٹ کا شکار بنا دیتی ہے۔

ابلیس کو حسد وجلن اور تکبر نے اللہ کی سرکشی اور بغاوت کی راہ اختیار کرنے پر اکسایا، اس کے بعد مسلسل انسانی معاشرہ حسد وجلن کی وجہ سے ایک دوسرے کے خلاف برسرپیکار رہا ہے، انبیاء کرام کی بعثت کا مقصد یہ رہا ہے کہ انسانی نفس کی ان باطنی بیماریوں کا تزکیہ کرکے، ان میں عبدیت کے اوصاف پیدا کئے جائیں اور اللہ کی مخلصانہ عبادت واطاعت کا خوگر بنایا جائے۔

حسد کے موضوع پر امام غزالیؒ نے اپنی کتاب ''منہاج العابدین'' میں بہت عمدہ بحث کی ہے، یہاں اس بحث کا خلاصہ پیش کیا جاتا ہے۔

یاد رکھو! حسد تمام نیکیوں کو خراب کر دیتا ہے اور انسان کو گناہ پر آمادہ کرتا ہے۔ یہ وہ بیماری ہے کہ جس میں بہت سے علما اور قاری حضرات مبتلا ہیں۔ عوام اور جہلا کی تو بات ہی کیا، حسد نے انہیں ہلاک کر دیا اور انہیں جہنم میں پہنچا دیا ہے۔ فرمانِ رسول اکرمؐ ہے: چھ گروہ چھ چیزوں کی وجہ سے جہنم میں جائیں گے: اہل عرب تعصب کی وجہ سے، حکام ظلم وستم کی وجہ سے، زمیندار غرور کی وجہ سے، تاجر خیانت کی وجہ سے، دیہاتی جہالت کی وجہ سے اور علما حسد کی وجہ سے۔

یاد رکھو! حسد سے پانچ چیزیں پیدا ہوتی ہیں: ایک فساد اطاعت یعنی نیکیاں فاسد ہو جاتی ہیں۔ حضور اکرمؐ کا فرمان ہے: حسد، نیکیوں کو اس طرح کھا جاتا ہے، جس طرح آگ ایندھن کو کھا جاتی ہے۔ دوم گناہ کا ارتکاب جیسا کہ حضرت وھب کا قول ہے: حاسد کی تین علامتیں ہیں: ایک جب تمہارے سامنے ہوگا تو چاپلوسی کرے گا۔ دوم جب غائب ہوگا، یعنی تمہاری عدم موجودگی میں غیبت کرے گا اور تمہاری مصیبت پر خوش ہوگا اور ملامت پر سرزنش کرے گا، اللہ تعالیٰ نے بھی حاسد کے شر سے پناہ مانگنے کے بارے میں فرمایا ہے: **ومن شر حاسد اذا حسد** (سورۂ فلق، آیت نمبر ۵)۔ سوم فضول تکلیف وغم بلکہ بے فائدہ ذہنی بوجھ کا انسان شکار ہو جاتا ہے جیسا کہ حضرت ابن سماکؒ فرماتے ہیں: میں نے کسی ظالم کو حاسد سے زیادہ مظلوم نہیں دیکھا۔ چہارم حاسد کا دِل اندھا ہو جاتا ہے، وہ اللہ کے کسی حکم کو سمجھنے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ پنجم محرومی وتباہی یعنی حاسد کبھی اپنی مراد نہیں پاتا اور حاسد کیسے مراد پا سکتا ہے؟ چونکہ اس کی مراد تو یہ ہے کہ اللہ کے بندوں پر اس کی نعمتیں ختم ہو جائیں۔

بندہ مؤمن کو درپیش دو مشکلات

بندہ مومن اور اللہ کا طالب جو خود احتسابی کے ساتھ راہ ہدایت اور راہ محبت میں چل رہا ہے، اسے دو باتیں بہت زیادہ پریشان اور خوف زدہ کرتی ہیں، ایک یہ کہ اس کے گناہ اتنے زیادہ ہیں کہ شاید ان کی معافی کی صورت پیدا نہ ہو سکے، دوسرے یہ کہ راہ ہدایت اور راہ محبت میں کہیں وہ نفس پرستی کی قوتوں کی نذر نہ ہو جائے اور کہیں وہ مادی قوتوں کی نذر ہو کر، راہ محبت سے دور نہ ہو جائے، یہ دو خطرات ایسے ہیں، جو اللہ کے طالب کے لئے سب سے زیادہ پُر خطر اور پریشان کن ہیں۔

ویسے بھی راہ محبت ایسی راہ ہے، جو پلصراط طے کرنے کے مترادف ہے، قدم قدم پر طالب کو نفس پرستی کی ایسی قوتوں سے واسطہ پڑتا ہے کہ طالب سخت خوف زدہ اور پُر خطر ہو جاتا ہے، لیکن مستقل مزاجی کے ساتھ راہ محبت میں چلنے والے طالب کو یقین رکھنا چاہئے کہ جس محبوب حقیقی نے راہ پر چلنا نصیب فرمایا ہے اور راہ دکھائی ہے، وہی محبوب ایک دن سلامتی کے ساتھ منزل مقصود پر پہنچائے گا، وہ اپنے مخلص بندہ کا از حد قدر دان ہے، وہ تو چاہتا ہے کہ بندے میری راہ پر چلیں، تاکہ میں انہیں اپنے قریب کر کے اپنا وصال نصیب کروں۔

جہاں تک ماضی کے گناہوں کا تعلق ہے تو اس پر دل کی حضوری کے ساتھ توبہ کر کے طالب کو آگے بڑھنا چاہئے، جب بھی گناہ یاد آجائیں، ہر بار توبہ کر کے، ہمت و حوصلہ سے آگے بڑھنا چاہئے، پیچھے مڑ کر دیکھنے کی ضرورت نہیں ہے کہ اتنے بڑے گناہ ہیں کہ وہ کیسے معاف ہو سکتے ہیں، ایسا سوچنا اور سمجھنا، یہ دراصل القائے شیطانی ہے، شیطان اس طرح کے خیالات کے ذریعہ طالب کو اللہ کی رحمت سے مایوس کرنا چاہتا ہے اور اس سے راہ محبت سلب کرنا چاہتا ہے۔

قرآن میں گناہوں کی معافی کے سلسلہ میں بہت ساری واضح آیات موجود ہیں، **ان الحسنات یذھبن السیات** (بے شک نیکیاں گناہوں کو مٹاتی ہیں)۔

قرآن میں دوسری جگہ ہے **وان ربک لذوا مغفرۃ الناس علیٰ ظلمھم** (اور بے شک آپ کا پروردگار لوگوں کے حق میں باوجود ان کے ظلم کے صاحب مغفرت ہے)۔

اس آیت کی تفسیر میں ایک مفسر لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس کا قول ہے کہ قرآن میں اس سے بڑھکر پُر امید اور تسلی بخش کوئی آیت نہیں۔ **علیٰ ظلمھم** کی قرآنی تصریح پر غور کرو تو توبہ کے بعد تو گنہگار، گنہگار باقی نہیں رہتا، یہاں تو یہ تصریح ہے کہ بندوں کے ظلم و زیادتی کے ہوتے ہوئے اللہ ان کے حق میں صاحب مغفرت ہے۔ جس کے صاف معنیٰ یہ ہیں کہ غیر تائبین کے حق میں صاحب مغفرت ہے، اکابر اہل سنت کا تو یہی موقف ہے۔

توبہ کرنے والا اللہ تعالیٰ کے ہاں مثل گناہ نہ کرنے والے کی طرح ہے، بس جس نے موت سے پہلے خالص توبہ کر لی، اسے اس گناہ پر سزا نہ دے گا۔ (تفسیر ماجدی)

مبتدی اور متوسط طالب کو اہل اللہ یہی تاکید کرتے ہیں کہ وہ بار بار گناہوں کو یاد کر کے پریشان نہ ہوں، اس لئے کہ یہ پریشانی ان کے لئے راہ محبت میں ارتقا کی راہ میں رکاوٹ ثابت ہو سکتی ہے، بلکہ ان کے لئے مایوسی کا موجب بن سکتی ہے، البتہ منتہی طالب کی اپنی حالت اس سے بالکل مختلف ہوتی ہے، وہ اللہ کے شان عظمت کے مشاہدہ اور اپنے ماضی کے گناہوں، قصوروں اور ذکر سے غفلت کی وجہ سے اللہ کے خوف کے دائرہ سے باہر نکلنے ہی نہیں پاتا، اللہ کی شان عظمت اسے یہ باور کراتی ہے کہ اللہ کے بندوں میں تم ہی سب سے زیادہ سیہ کار ہو، اس طرح اللہ کے عتاب کے تم ہی سب سے زیادہ مستحق ہو، یہ دراصل احساس عبدیت ہے، جو منتہی طالب پر غالب رہتا ہے، جو اس کے سارے افکار اور سارے خوفوں پر حاوی رہتا ہے، منتہی طالب کی حالت قرآن کی اس آیت **واما من خاف مقام ربہ** (اور جو اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرتا رہا) کے مصداق ہوتی ہے۔

بندہ مؤمن کے لئے راہ ہدایت اور راہ محبت میں ارتقاء کے موضوع پر بھی قرآن میں مختلف آیتیں موجود ہیں۔

ایک جگہ ہے **والذین اھتدوا زادھم ھدی واتاھم تقواھم۔**

(جن لوگوں نے ہدایت پائی (اللہ نے) انہیں اور زیادہ ہدایت دی اور انہیں پرہیزگاری عطا کی)۔

اس لئے اخلاص کے ساتھ راہ ہدایت پر گامزن ہونے والے طالب کو یقین رکھنا چاہیے کہ محبوب حقیقی اس راہ کی مشکلات سے عہدہ برآ ہونے کی صلاحیت پیدا کر کے، اس کے لئے ارتقاء کی راہیں ضرور پیدا فرمائے گا، شرط یہ ہے کہ بندہ ہمت، حوصلہ اور استقامت کا مظاہرہ فرمائے۔

راہ ہدایت میں مشکلات اس لئے ہیں، تاکہ نفس کی قوتوں کا بتدریج مشاہدہ ہوتا رہے اور ان قوتوں کو مفتوح کرنے کا ملکہ راسخ ہوتا جائے، اس طرح اللہ اور اس کے رسول کی مخلصانہ اطاعت کی راہ میں حائل بے پناہ نفسی قوتوں اور ان کے پیدا کردہ حجابات سے بچاؤ کی صورت پیدا ہوتی جائے۔

اصلاح میں ارتقا کا عمل بیک وقت نہیں ہوتا، وہ بتدریج ہوتا ہے، اس میں ایک تو حکمت یہ ہے کہ جو چیز جلد حاصل ہوتی ہے، اس کے جلد ہی رخصت ہو جانے کا خطرہ بھی درپیش ہوتا ہے، جب کہ مشکلات سے حاصل ہونے والی نعمت کی حقیقی قدر ہوتی ہے۔

دوسری حکمت یہ ہے کہ نفس جیسے دیو قامت کا مقابلہ کرنے میں فرد کو عرصہ تک اپنی ساری قوتیں صرف کرنی پڑتی ہیں، اس سے اس کی شخصیت میں نکھار، لطافت، اور غیر معمولی روحانی توانائی پیدا ہوتی ہے، یہ روحانی توانائی اسے دنیا میں زندگی کے ہر موڑ پر کام دیتی ہے، موت کے بعد قبر اور آخرت میں یہ روحانی لطافت اس کے لئے مسرت اور نجات کا موجب ثابت ہوگی۔

نفس اور نفسی قوتیں،

بعض بزرگانِ دین کی نظر میں

بزرگان دین کا سب سے زیادہ زور معرفت نفس اور نفس شناسی پر ہوتا ہے، تاکہ معرفت رب کے بھرپور اجزاء حاصل ہو سکیں، بندے اور اللہ کے درمیان نفس ہی سب سے بڑی رکاوٹ ہوتا ہے، بلکہ وہ اس راہ میں ہزارہا حجابات پیدا کرنے کا ذریعہ بن جاتا ہے، نفس اور نفسی قوتوں کے موضوع پر بزرگان دین کے ملفوظات و مکاتیب میں کافی مواد موجود ہے، ہم یہاں اس سلسلہ میں چند اکابر بزرگوں کے تحریروں کے کچھ اقتباسات پیش کرتے ہیں۔(مرتب)

نفس کی تباہ کاریاں

حضرت شرف الدین یحیٰ منیری مکتوبات صدی میں لکھتے ہیں۔

نفس بے فرمان من مارا برسوائی کشید
دوست می پند اشتم این نفس دشمن داررا
دوستی باجاہ ومنزل کردہ ام تا این زمان
شکل پروانہ کہ اوہم نورداند ناردا

میرے نفس نافرمان نے مجھے رسوا کر دیا، میں اس نفس دشمن کو ہمیشہ دوست سمجھتا رہا، اب تک میں بلند مرتبہ ومکان کو اس طرح محبوب سمجھتا رہا ہوں، جس طرح پروانہ آگ کے شعلہ کو نور سمجھتا ہے، بزرگوں کا قول ہے کہ اگر پل پھر بھی نفس کو سرکشی کا موقعہ دیا جائے تو یہ ہزاروں زنار لا کر گلے میں ڈال دے گا، اور لاکھوں بت سامنے لا کر رکھ دیگا، کبھی اس شریر

کو مصلح نہ سمجھو، اگر ایک لاکھ سال اس کو زیر کرتے رہو گے اور ایک دفعہ بھی اس کی خواہش پوری کرو گے تو سارا کیا دھرا برباد ہو جائیگا۔

غمزہ توبہ فریبد زاھد صدسالہ را
لدے پیشانی گرفت پیش خمار آور

توبہ کا ناز و غرور سو سالہ زاھد کو بھی دھوکے میں ڈال دیتا ہے، سر کے بال پکڑ کر شراب خانے میں کھینچ لاتا ہے، اس لئے کہا گیا ہے کہ جو شخص اپنے نفس کو دیکھتا ہے، وہ اللہ کو نہیں دیکھ سکتا۔

شیطان پر جو بلائیں نازل ہوئیں، محض نفس پر نظر رکھنے سے ہوئیں، جن لوگوں نے خدائی کا دعویٰ کیا، وہ بھی نفس ہی کو دیکھنے کی وجہ سے کیا۔ (مکتوبات صدی، صفحہ ۴۰۲)

''متقی وہی شخص کہلا جائیگا، جو اپنی قید و بلا سے نکل کر آزاد ہو چکا ہو، کیونکہ وہ آدمی جو اپنی ہستی کے پھندوں اور نفس کی خواہشات سے بالکل کنارہ کش نہ ہو گیا ہو، وہ دوزخ کی یادگار ہے، **وان منکم الاورادھا** (تم میں سے کوئی بھی ایسا نہیں جو یہاں سے نہ گزرے) ساری مخلوق دوزخ میں ٹھونس دی جائے گی تاکہ سرکشوں اور نافرمانوں سے وہ اپنی قسمت کا حصہ لے لے، وہاں سے متقیوں کو نکال لیا جائے گا اور خود پرست اور نفس کے پجاری اوندھے منہ دوزخ میں دھکیل دیئے جائینگے۔ (صفحہ ۴۰۹)

نفس کی شناخت اور اس کی تربیت کا طریقہ

''یہ سب اس بات کی دلیل ہے کہ نفس بذاتہ ایک وجود ہے، صفت نہیں، اور نفس میں بھی صفتیں ہیں اور ان صفتوں کو ہم ظاہرًا دیکھا کرتے ہیں، اس کی شناخت کا طریقہ معلوم ہو چکا تو ریاضت کے ذریعہ اس کی تربیت کر سکتے ہیں، لیکن اس کی ماہیت فنا نہیں ہو سکتی، جب اس کی پہچان صحیح ہو گئی اور اس پر طالب کا قبضہ و تسلط ہو گیا تو اب اس کے باقی رہنے سے کسی طرح کا خوف و خطر نہیں، جیسا کہا گیا ہے **''النفس کلب نباح امساک الکلب بعد الریاضۃ مباح''** (نفس بھونکنے اور کاٹنے والا کتا ہے، جب وہ ریاضت سے مطیع ہو جائے تو اس کا رکھنا

مباح ہے) یہ ہولناک جنگل بجز اللہ تعالیٰ کے فضل اور پیر مشفق کے ظل عاطفت کے بغیر سر نہیں ہو سکتا۔ (مکتوبات صدی، ۴۹۸)

نفس کی (آفت کفر کی آفت) سے بدتر ہے

''فرد کے لئے نفس کی آفت کفر کے فتنوں سے کہیں زیادہ بدتر ہے اور شیطان کی شرارت و مکر سے بھی بڑھ چڑھکر ہے، کیونکہ فرد سے اس کا چولی دامن کا ساتھ ہے، اس لئے کہتے ہیں کہ آدمی کا بڑا دشمن اور سخت ترین بلا یہی نفس ہے، اس کی دوا اور اس کا علاج بھی مشکل اور بہت دشوار ہے، کیونکہ یہ اندرونی دشمن ہے، جب گھر کے اندر ہی چور ہوتا ہے تو اسے دفع کرنا آسان نہیں ہوتا، دوسری دقت یہ ہے کہ نفس ایک ایسا دشمن ہے، جو آدمی کو محبوب اور پیارا ہوتا ہے اور محبوب کی عیب بینی (عیب دیکھنے) سے آدمی اندھا ہوتا ہے۔

اس لئے یہ نفس کی جو کچھ تباہ کاریاں دیکھتا ہے، ان کو نیکی اور بھلائی سمجھتا ہے، اور جب ایسا ہوتا ہے تو آدمی اس نفس کے ہاتھوں جلد ہی تباہی اور ہلاکت میں مبتلا ہو جاتا ہے اور اسے ان باتوں کی خبر تک نہیں ہوتی۔

اے بھائی، جب تم ذرا ٹھنڈے دل سے غور کرو گے تو تمہیں معلوم ہو گا کہ یہ سارے فتنے فساد، تباہی، و بربادی، خواری و ہلاکت، معصیت و آفت جو مخلوق کو اول آفرینش سے پیش آئی ہیں اور قیامت تک پیش آئیں گی، وہ اسی نفس کی بدولت ہیں، غرض جو شخص بھی بلاؤں میں مبتلا ہوا، اسی نفس کی وجہ سے ہوا، اگر ہوائے نفس گمراہ نہ کرتی تو فتنہ، ضلالت اور معصیت کا وجود قیامت تک نہ پایا جاتا اور ساری مخلوق امن و سلامتی سے دن گزارتی، تو اب اتنا بڑا دشمن بغل میں ہو تو عقلمند کے لئے ضروری ہے کہ اسے دبا کر زیر کرے، لیکن یک بارگی اس پر دھاوا بول دینا ممکن نہیں، جیسا اور دشمنوں کے ساتھ ہوتا ہے، اور دفعتہ اس کو زیر کرنا دشوار ہے، کیونکہ نفس طالب کی سواری اور آلہ ہے (مکتوبات صدی، ۵۰۷)

نفس کی سرکشی کی روک تھام کا طریقہ

''اگر تم یہ خیال کرتے ہو کہ نفس ایک نافرمان، سرکش اور موذی جانور ہے، تم کس طرح اس کے منھ میں لگام دوگے تو جانو کہ اس میں حیلے کی ضرورت ہے، پہلے ذرا اس کو نرم کرو، تاکہ لگام لینے کے قابل ہو جائے، اس راستے کے عاملوں نے کہا ہے کہ نفس کو نرم کرنے کی تین چیزیں ہیں، ایک یہ کہ نفس کی خواہشوں اور لذتوں کو روک دو، کیونکہ جب چوپائے، دانہ اور گھاس نہیں پاتے تو نرم ہو جاتے ہیں، عالموں میں سے کسی نے کہا ہے کہ نفس کی سرکشی وجہالت اس حد تک ہوتی ہے کہ جب وہ چاہتا ہے کہ گناہ کرے اور عذاب مول لے اور تم اس وقت اللہ، رسول، جملہ انبیاء، کتاب اور سلف صالحین کو شفیع بنا کر سامنے لاؤ اور موت، قبر، قیامت، بہشت اور دوزخ سب اس کے سامنے رکھدو تو بھی وہ ہرگز باز نہ آئے گا اور گناہ سے پیچھے نہ ہٹے گا، نہ خواہشوں سے دستبردار ہوگا، لیکن جب دانہ پانی روک دیا جائے تو ساری شرارتیں غائب ہو جائینگی۔ دوسرے یہ کہ عبادات کا بھاری بوجھ اس پر لادو، کیونکہ جب خچر پر زیادہ بھاری بوجھ لادیا جاتا ہے تو وہ سیدھا ہو جاتا ہے، خاص کر ایسی حالت میں کہ دانہ پانی کی مار اس پر پڑ چکی ہو، تیسرے یہ کہ اللہ پاک سے امداد مانگو اور اس کی بارگاہ میں پناہ ڈھونڈو، بغیر اس کے اس کی شرارتوں سے چھٹکارا ممکن نہیں۔ (صفحہ ۵۰۸)

مردانِ راہ حق کی تلوار کا پہلا نشانہ نفس ہوتا ہے

''معلوم ہو کہ خوش بختان طریقت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ پہلا درجہ معرفت میں بندے کا اپنے نفس سے دور ہو جانا ہے یعنی خدائے عزوجل کی پہچان، اپنی ذات سے بیزاری سے وابستہ ہے، جب تک اپنی ذات سے بیزاری نہ پاؤگے، اللہ کی آشنائی کا مرتبہ نہ پاؤگے، تمام لوگوں کی نظر اپنے اوپر اس لئے پڑتی ہے کہ خود ان کا وجود معرفت کے راستے میں رکاوٹ ہوتا

ہے، یہی وجہ ہے کہ مردان راہ حق سارا غصہ اپنے اوپر اتارتے ہیں اور جو تلوار اٹھاتے ہیں، اپنے اوپر اٹھاتے ہیں۔ (صفحہ ۵۱۵)

مخالفت کی تلوار سے نفس کو ذبح کرنا

گر تو حق را بندۂ بت گر مباش
گو تو مرد این رہی اور مباش

(اگر تو اللہ کا بندہ ہے تو بت ساز نہ بن اور اگر تو اس راستے کا مرد ہے تو آذر کی صفت اختیار نہ کر)۔ یہیں سے ہے، جو بعض مشائخ رضوان اللہ علیہم سے پوچھا گیا کہ اسلام کیا ہے، جواب دیا مخالفت کی تلواروں سے نفس کو ذبح کر دینا، خواجہ ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا مفتاح العبادت الفکرت وعلامتہ الاصابتہ مخالفتہ النفس والھواء (عبادتوں کی کنجی فکر ہے اور مقام رسیدہ ہونے کی علامت نفس اور خواہش کی مخالفت ہے) یہیں سے کہا گیا ہے مخالفتہ النفس راس العبادۃ۔ (نفس کی مخالفت سب عبادتوں کی سرتاج ہے) حضرت خواجہ جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے، اساس الکفر قیامک علی مراد نفسک (اپنے نفس کی مرادوں پر قائم رہنا کفر کی بنیاد ہے) پس طالب کو چاہیے کہ اپنے دن رات اسی کام میں گزارے کہ جب اُس کے حواس میں خواہش کا اثر ظاہر ہو، اُس کو وہیں کاٹ دے اور گریہ وزاری کے ساتھ اللہ سے دعا کرے کہ جب تو نے رکھا ہے تو اس کو کون دور کر سکتا ہے، تاکہ اس کی فریاد سنی جائے۔

نفس سے ایک گھڑی کے مجادلہ کا ستر برس کی عبادت سے افضل ہونا

حضرت نظام الدین اولیاء فرماتے ہیں۔

بنی اسرائیل میں ایک زاہد تھا، اس نے ستر برس تک لگاتار اللہ کی عبادت کی تھی، اس قدر مجاہدے کے بعد اس کو کوئی ضرورت پیش آئی، اس نے حاجت کیلئے دعا کی، لیکن اس کی

حاجت پوری نہیں ہوئی۔ وہ شخص تنہائی میں گیا اور اس نے اپنے نفس سے مجادلہ کرنا شروع کیا کہ اے نفس، تو نے ستر سال تک اللہ کی عبادت کی ہے۔ اس میں اخلاص نہ ہوگا۔ اگر اخلاص ہوتا تو اللہ تعالیٰ تمہاری دعا رد نہ کرتا۔ وہ اپنے نفس سے یہ مجادلہ کر رہا تھا کہ اس زمانے کے پیغمبر کو وحی آئی کہ اس عابد سے جا کر کہو کہ تمہارا ایک گھڑی کا یہ مجادلہ ہمارے نزدیک ستر برس کی عبادت سے زیادہ پسندیدہ ہے۔ (فوائد الفوائد، صفحہ ۲۲۳)

''فرمایا، دو چیزیں ہیں، ایک نفس، دوسرا قلب۔ جب کوئی شخص نفس کی مطابقت کرنے لگے تو اسے قلب کی مطابقت بھی ضرور کرنی چاہئے۔ نفس میں تو ساری خصوصیت دشمنی اور شر ہی شر کی ہے، جب کہ قلب میں رضا و سکون اور اللہ سے محبت کی خصوصیت شامل ہے۔ نفس کے ساتھ ساتھ اگر قلب سے بھی کام لیا جائے تو نفس مغلوب ہو جاتا ہے اور اگر نفس کا مقابلہ نفس سے کیا جائے تو فتنہ و فساد بڑھ جائیگا۔ (۲۲۷)

نفسانی ظلمات کے اثرات شریعت پر عمل میں دشواری

حضرت مجدد الف ثانی فرماتے ہیں:

بعض کو جو احکام شرعیہ کی ادائیگی میں آسانی نہیں ہوتی، یہ بات نفس کی ظلمات اور طبعی کدورت کی بنا پر ہے۔ یہ ظلمات نفسانیہ اور کدورات طبیعہ، نفس امارہ کی خواہش سے پیدا ہوتی ہیں اور نفس امارہ ظاہر ہے، حق کی دشمنی پر ڈٹا ہوا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ ''دشوار واقع ہوئی مشرکوں پر وہ بات جس کی طرف آپ ان کو دعوت دے رہے ہیں۔'' نیز فرماتا ہے۔ ''بیشک نماز دشوار ہے مگر ان پر دشوار نہیں جو عاجزی اور فروتنی کرنے والے بندے ہیں۔'' پس جس طرح ظاہری مرض احکام کی ادائیگی میں دشواری کا سبب ہو جاتا ہے، ایسے ہی باطنی مرض بھی دشواری کا باعث بن جاتا ہے۔ شریعت مطہرہ، نفس امارہ کو کچلنے اور اس کے وسوسوں کو دور کرنے کے لئے وارد ہوئی ہے۔ خواہش نفس اور اتباع شریعت دونوں آپس میں

ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ لہذا جب کوئی شرعی احکام میں دشواری محسوس کرے گا تو یہ بات اس کے اندر خواہش نفسانی کے موجود ہونے پر دلالت کرے گی، جس قدر دشواری محسوس ہوگی، اسی قدر سمجھا جائے گا کہ خواہش نفس موجود ہے اور جب نفس امارہ کی خواہش کلیتہ دفع ہو جائے گی، شرعی احکام میں دشواری کا احساس باقی نہ رہے گا۔ (مکتوب ۸۹، بنام مولانا بدر الدین)

''نفس کی فنا کے وقت سارے علوم ذہن انسان سے جاتے رہتے ہیں، اور بقا کے وقت واپس آجاتے ہیں۔ فنا سے پہلے نفس اپنی شرارت میں شیطان سے بھی زیادہ شریر ہوتا ہے اور فنا اور بقا کے بعد یہی نفس، صفتِ مطمئنہ کا حامل ہو کر، فرشتوں سے بھی افضل ہو جاتا ہے۔ لیکن باوجود ان کمالات کے وہ سارے خیر و کمالات کو ذات حق کی طرف منسوب کرتا ہے اور سارے شر و فساد کو اپنی جانب جانتا ہے۔ (مکتوبات، مکتوب نمبر ۴۶۵، بنام حضرت خواجہ محمد معصوم)

''ولایت کا مقدمہ طریقت ہے، جہاں اللہ کے سوا سب سے نفی مطلوب ہے اور غیر کا ہٹ جانا مقصود ہے۔ جب اللہ تعالیٰ کے فضل سے غیر، نظر سے بالکل جاتا رہتا ہے اور نظر میں غیروں کی یاد کا نام و نشان باقی نہیں رہتا تو فنا ہو جاتی ہے اور مقام طریق ختم ہو جاتا ہے اور سیر الی اللہ ختم ہو جاتی ہے اور اس کے بعد مقام اثبات میں سیر شروع ہوتی ہے، جسے سیر فی اللہ سے تعبیر کرتے ہیں اور یہی مقام بقا ہے، جو حقیقت موطن ہے۔ جو ولایت سے اعلیٰ مقصد ہے، اس طریقت و حقیقت پر جو فنا اور بقا ہے، ولایت کا کام اس پر صادق آتا ہے اور نفس امارہ، مطمئنہ ہو جاتا ہے اور کفر و انکار سے ہٹ جاتا ہے اور اپنے مولے سے راضی ہو جاتا ہے اور اس کی پیدائشی کراہت دور ہو جاتی ہے۔ لیکن کہتے ہیں کہ نفس مطمئنہ کے بعد بھی وہ اپنی سرکشی سے باز نہیں آتا۔

ہر چیز کہ نفس مطمئنہ گردد
ہرگز صفات خود نہ گردد

حضور کریم ﷺ نے جو ارشاد فرمایا ہے کہ **"رجعنا من الجهاد الاکبر"** یعنی ہم چھوٹے جہاد سے بڑے جہاد کی طرف آتے ہیں۔ اس سے مراد نفس سے جہاد ہے، لیکن فقیر کے نزدیک بعد مطمئنہ ہونے کے پھر نفس شرارت نہیں کرتا اور کوئی شخص کمال ولایت وکمال نبوت کے بعد بھی اتباع شریعت سے مستثنیٰ (بری) نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ شریعت بنیاد ہے، تمام کمالات حاصل کرنے کی، جیسے بلا بنیاد مکان نہیں بن سکتا، اسی طرح بلا اتباع شریعت کسی کمال پر نہیں پہنچ سکتا۔ (ایضا)

"بندے کو چاہئے کہ اس کی مراد سوائے حق تعالیٰ کے کچھ نہ ہو اور اگر مراد ہو تو حق تعالیٰ کے مراد کے تابع اپنی مراد ہو، اگر ایسا نہ کیا تو اس کا سر بندگی کے رسے سے باہر اور اس کا پاؤں قید غلامی سے نکلا ہوا ہوگا۔ اور جو بندہ اپنی مرادوں میں گرفتار ہے اور ہوا و ہوس پر فریفتہ ہے، وہ اپنے نفس کا بندہ ہے اور اپنی مرادوں پر اللہ کی مرادوں کو قربان کرنا، یہ فنا و بقا کے مرتبہ کے بعد ہی میسر ہو سکتا ہے۔ (مکتوبات ۲۳۹، بنام ملا علی کشمی) "

وسوسۂ شیطانی اور وسوسۂ نفسانی

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی فرماتے ہیں۔

ارشاد فرمایا کہ وسوسۂ نفسانی اور وسوسۂ شیطانی میں فرق کرنے کا طریقہ کس طرح ہونا چاہئے۔ یعنی شیطانی خطرہ وہ ہے، جس میں اصرار نہیں ہوتا اور نفسانی خطرے اور وسوسے پے در پے آتے ہیں۔

کسی بزرگ نے پوچھا کہ ان میں سے کون سا زیادہ سخت ہے، فرمایا کہ نفسانی خطرات زیادہ سخت ہیں، اس لئے کہ نفس انسان کے ساتھ جنگ کرتا ہے۔ جیسے انگریز اور مرہٹوں کی جنگ۔ پھر فرمایا کہ نفسانی وساوس مشکل سے رفع ہوتے ہیں۔ کیونکہ نفس باقاعدہ منظم طریقہ سے جنگ کرتا ہے اور شیطان دور سے نظر آتا ہے اور نفس کا سامان جنگ عورت، اولاد، لباس، مال و متاع وغیرہ ہیں۔

پھر فرمایا کہ شیطان ادنیٰ جنگ سے رفع ہو جاتا ہے اور نفس بڑی کوشش و دقت سے۔

پھر فرمایا، **"حب الدنیا راس کل خطیئة"** (دنیا کی محبت ہر گناہ کی جڑ ہے)۔

پھر فرمایا کہ شیطان ایک دن حضرت یحییٰ علیہ السلام کی خدمت میں آیا، حضرت یحییٰ نے بقول پیغمبر کبھی کسی گناہ کا ارادہ بھی نہیں کیا تھا۔ حضرت یحییٰ نے اس کی قلبی تاریکی کو معلوم کر کے، اس سے دریافت کیا کہ تو کون ہے، اس نے کہا کہ میں شیطان ہوں۔ فرمایا، یہاں کیسے آنا ہوا۔ شیطان نے کہا کہ ایک مشکل درپیش ہے اور وہ یہ ہے کہ بعض تو سیدھے سادھے انسان ہیں، جن کو میں جہاں چاہتا ہوں، لے جاتا ہوں اور بعض آپ جیسے اللہ کے مخلص بندے ہیں، جن پر میرا دخل نہیں چلتا، لیکن ایسے لوگوں سے کچھ عرصہ ساتھ رہ کر خلوص و محبت کا اظہار کر کے، ان پر اعتماد حاصل کر کے پھر تیار کرتا ہوں کہ یکایک خوف الٰہی ان پر غالب آجاتا ہے اور وہ لوگ میرے کہنے پر چلنے سے رک جاتے ہیں اور پھر گریہ زاری کرتے ہیں۔

پھر فرمایا کہ شیطان سے مقابلہ کا کام سہل ہے، لیکن نفس کا مقابلہ دشوار ہے۔ شیطان کا علاج ذکر اللہ اور تلاوت قرآن شریف، اور دنیا سے زہد و تقویٰ اور مخلوق سے گوشہ نشینی ہے، مگر نفس کا علاج دشوار ترین ہے، فرمایا حدیث شریف ہے تمہارا سب سے بڑا دشمن تمہارا نفس ہے، جو تمہارے پہلو میں موجود ہے۔ اس لئے نفس کو سمجھنا بہت مشکل ہے۔ نفس کی جو خواہش ہو، ہرگز اس کے مطابق نہ کیا جائے۔ مگر شریعت کی اتباع میں از روئے شریعت کام کیا جائے۔

عُجب، حسد یہ دونوں شیطان کے بڑے داؤ ہیں، جن میں پھنسا کر یہ اولیاء کو بھی گمراہ کرتا ہے، کیونکہ یہ عُجب عادت سے تعلق رکھتا ہے۔ شراب کشید کرنے والا عُجب کے مرض میں کہاں مبتلا ہو سکتے ہیں۔ (صفحہ ۱۳۲)

نفس کے مکر وفریب

مولانا اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں۔

نفس بُری بلا ہے، اس سے ہر وقت ڈرنا چاہئے، ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے، عجیب بات ہے کہ فرد جس قدر عبادات میں ریاضات اور مجاہدات کرتا ہے، اسی قدر اس کے اندر ادراک کی ایک لطافت پیدا ہوتی رہتی ہے، اس لطافت سے اس کے مکر بھی نہایت لطیف صورت اختیار کرنے لگتے ہیں، اس لئے یہ بڑی خطرناک چیز ہے، اس کا علاج قوت اور ہمت کے علاوہ اور کچھ نہیں، شیطان تو لاحول سے بھاگ جاتا ہے اور مغلوب ہو جاتا ہے، مگر یہ ظالم نفس بجز مقابلے اور وہ بھی ہمت اور قوت کے ساتھ ہو، قبضہ میں نہیں آتا اور ایک چیز سے تو یہ بالخصوص بہت جلد پھول کر گدھا بن جاتا ہے اور وہ یہ ہے کہ جب اس کی مدح کی جاتی ہے تو وہ پھول جاتا ہے۔(الافاضات الیومیہ حصہ نہم، صفحہ ۱۳)

''نفس کو بھی لطائف میں شمار کیا گیا ہے، اگرچہ وہ شر کا داعی ہے اور مطمئنہ ہونا اس کا عارضی ہے، ریاضت و مجاہدہ سے دبا رہتا ہے، یہی وجہ ہے کہ بعض سالکین کو دھوکہ ہو جاتا ہے کہ مجاہدہ کے بعد اگر اپنے اندر مذموم طبعی امور کا اثر پاتے ہیں تو اس سے وہ مجاہدہ کے بے کار ہونے کا گمان کر بیٹھتے ہیں اور اکثر اس کا نتیجہ مایوسی ہوتی ہے اور مایوسی سے تعطل ہو جاتا ہے، میں کہتا ہوں کہ اگر اخلاق ذمیمہ زائل ہو جائیں، یا بالکل فنا ہو جائیں تو پھر درجات اور ثواب کس چیز پر مرتب ہو، ہاں اگر اس قدر مغلوب ہو جائیں کہ اس کے تقاضا پر عمل نہ کرنے کی قوت راسخ ہو جائے تو مقصود حاصل ہے، اگر کبھی کبھار نفس مزاحمت بھی کرے تو اس پر غلبہ کی سعی میں لگنا چاہئے، بس طالب کی حالت تو یہ ہونی چاہئے کہ۔

اندریں رہ می تراش ومی خراش
دم آخر دمے فارغ مباش

(یعنی راہ سلوک میں تراش خراش بہت ہے لہٰذا مرتے دم تک ایک منٹ کے لئے بھی بے فکر مت ہو۔)

نفس کی شرارتوں سے ہر وقت بچنے کے لئے فکر منداور کوشاں ہونا

فرمایا، نفس سے ہمیشہ ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے، اس کی حالت یہ ہے کہ جب موقع پائیگا اور اسباب دیکھے گا، اپنا کام کئے بغیر نہ رہے گا۔ جو لوگ اپنی کامل اصلاح کر چکے ہیں، بے فکر ہونا، اُن کیلئے بھی خطرہ سے خالی نہیں، مگر ان کو ایک اعتبار سے سہولت حاصل ہے کہ وہ عین وقت پر بھی علم اور تجربہ کی بنا پر اس کو قابو میں کر سکتے ہیں، ورنہ ہمارے نفس کی حالت منہ زور کی سی ہے، جب وہ قابو سے نکل جاتا ہے تو آگا پیچھا نہیں دیکھتا، اس سے جو بھی نقصان صادر ہو جائے کم ہے، اس لئے اس سے ہر وقت ہوشیار رہنے اور انتظام رکھنے کی ضرورت ہے، جنہوں نے نفس کی حقیقت کو سمجھا ہے، وہ ہر وقت اس تگ ودو میں رہتے ہیں۔ کسی کو بھی کسی بھی وقت بے فکر نہیں ہونا چاہئے، جب بھی بے فکری ہو گی تو وہ اس پر حملہ آور ہو گا، سانپ سے کیا بے فکری، وہ تو موقع پاتے ہی اپنا کام کرے گا، بس یہی حالت نفس کی ہے۔ یہ تو قابو میں اُسی تک ہے، جب تک اس کی فکر لاحق ہو گی اور جس طرح یہ تاک میں ہے، اس کی ضرورت ہے کہ دوسرا اس کی تاک میں ہو، ورنہ یہ تو اژدھا ہے۔ شیطان اس قدر خطرناک نہیں، جتنا یہ ہے، اسی لئے کہا گیا ہے **اعدی عدوک الذی بین جنبیک۔** (صفحہ ۲۵)

خودرائی وخودبینی کا سم قاتل ہونا

فرمایا، اس راہ میں خودرائی اور خودبینی سخت راہزن اور سم قاتل ہے، جس شخص میں یہ چیزیں موجود ہوں گی، وہ قطعاً محروم رہے گا، اس کو راہ سلوک سے کوئی حصہ نصیب نہ ہو گا،

اس راہ میں پہلا قدم فنا ہے اور اپنے کو مٹانا ہے، اس خودرائی کو حافظ شیرازی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

فکر خودرائے خود درعالم رندی نیست
کفر ست درین مذہب وخودبینی وخودرائی

(الافاضاۃ الیومیہ صفحہ ۲۵ حصہ ہشتم)

فرمایا، غیر تربیت یافتہ فرد، ہمیشہ متزلزل ہی رہتا ہے، اس میں رسوخ تو ہوتا نہیں، اس لئے وقت اور موقع پر اس کا قلب زیر وزبر ہو جاتا ہے، اس کے قلب کو تھامنے والی کوئی چیز تو ہوتی نہیں، اس لئے اس کا زہد و تقویٰ، ذکر و شغل، علم و فضل دھرا رہ جاتا ہے، بالکل وہ مثال ہو جاتی ہے کہ جیسے ایک بادشاہ نے ایک بلی کو تعلیم دی تھی کہ اُس کے سر پر شب کو چراغ رکھ دیتا، وہ چراغ لئے کھڑی رہتی، جب بادشاہ کو اپنی تعلیم پر اطمینان ہو گیا تو ایک روز بادشاہ نے اپنے وزیر سے اس کی تعریف کی کہ ہماری بلی بڑی تعلیم یافتہ ہے، بڑی مہذب ہے، وزیر نے کہا کہ حضور، امتحان بھی کر لیا ہے۔ بادشاہ نے کہا کہ امتحان کیسا، وزیر نے ایک چوہا پکڑوایا اور پوشیدہ کر لیا۔ بلی کے سر پر چراغ رکھا گیا، اُس وقت اُس کے سامنے چوہا چھوڑ دیا۔ بلی کا چوہے کو دیکھنا تھا کہ ایک دم بلی بھاگی، چراغ کہیں، چوہا کہیں، وہ سال دو سال کی تعلیم اور تہذیب آن واحد میں ختم ہو گئی۔ یہی حالت غیر تربیت یافتہ فرد کی ہوتی ہے کہ اس کی کسی بات پر اعتماد واعتبار نہیں ہوتا۔ (صفحہ ۷۹)

نفس سے جہاد

نفس سے جہاد کرنا کفار سے جہاد کرنے سے زیادہ سخت ہے، وہاں تو ایک بار تلوار لگی اور کام تمام ہوا۔ یہاں ہر دم، ہر سانس اور ہر وقت آرا چلتا ہے۔

کشتگان خنجر تسلیم را
ہر زماں از غیب جانے دیگر راست

(جو تسلیم ورضا کے خنجر کے مارے ہوئے ہوتے ہیں، ان کو ہر وقت غیب سے ایک نئی روحانی زندگی ملتی ہے)۔

جو لوگ جہاد نفس میں مشغول ہیں، ان پر جو کچھ گذرتی ہے، اسے وہی جانتے ہیں، قبر کا حال مردے ہی کو معلوم ہے، ان کی جو حالت ہوتی ہے، اسے درج ذیل شعر میں بیان کیا گیا ہے۔

اے ترا خارے بپا نشکستہ کہ دانی کہ چیست
حال نشیرا نے کہ شمشیر بلا برسر خورند

(تیرے پاؤں میں کبھی کانٹا بھی نہیں لگا، تجھے ان بہادروں کی حالت کیا معلوم، جو سر پر تلوار کھاتے ہیں)۔

یہ جہاد محض عشاق کا نشان ہے کہ وہ ہر وقت نفس کشی میں رہتے ہیں اور اس کی خواہشوں کو پامال کرتے رہتے ہیں، ان کی حالت کو دوسرا کیا سمجھ سکتا ہے۔ دل میں زخم اور گھاؤ ہو جاتے ہیں۔ کسی نے خوب کہا ہے:

دروں سینہ من زخم بے نشان زدہ
یہ حیرتم کہ عجب تیر بے کمان زدہ

(تو نے میرے سینے میں ایسا زخم لگایا ہے، جس کا کوئی نشان نظر نہیں آتا، مجھے حیرت ہے کہ بغیر کمان کے کیسا تیر مارا ہے)۔

مجاہدہ کی حقیقت ہے، **نھی النفس عن الھویٰ**۔ نفس کو اس کی خواہشات (مذمومہ) سے روکنا اور اس کے حاصل ہونے کی تدبیر یہ ہے کہ ''خاف مقام ربہ'' (جو شخص اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرتا ہے) اگر یہ کہا جائے کہ شریعت میں مجاہدہ سے مراد کفار کے خلاف جہاد کرنا ہے تو اس حدیث کے کیا معنیٰ ہوں گے۔ **المجاھد من جھد نفسہ** (مجاہد وہ ہے، جو نفس سے جہاد کرے) بلکہ مجاہدہ ظاہری میں مشغول ہونا تو آسان ہے، لیکن باطنی مجاہدہ میں مشغول ہونا مشکل ہے، اس میں سستی کرنا ایسا ہے کہ باہر کے دشمن کو تو مار دیا، اندر کے دشمن کی کوئی فکر ہی نہیں۔

درمست و دشمن اندر خانہ بود
حیلہ فرعوں زین افسانہ بود

(دشمن تو گھر کے اندر موجود تھا اور دروازہ بند کر لیا، فرعون کی تدبیر کی ناکامی کی وجہ یہی تھی)۔

ای شاں کشتیتم ما خصم بروں
ماند خصمے زویتر دراندروں
کشتن ایں کار عقل وہوش نیست
شیر باطن نحرہ خرگوش نیست

(حضرات، ہم نے باہر کے دشمن کو تو مار دیا ہے، مگر باہر کے دشمن سے بدتر دشمن اندر رہ گیا ہے۔ اس اندر کے دشمن کے مارنے کی تدبیر عقل کے بس کی نہیں ہے، کیونکہ یہ باطنی شیر خرگوش عقل وہوش کے بس میں آنے والا نہیں ہے)۔

سب سے بڑی چیز کامل کی صحبت ہے، اس کے بغیر کامیابی مشکل ہے، اس لئے مولانا رومی فرماتے ہیں۔

یار باید راہ را تنہا مرد
بے قلاؤ ز اندریں صحرا مرد

سلوک طے کرنے کے لئے ساتھی کی ضرورت ہے، اس جنگل میں بغیر رہبر کے تنہا مت چلو۔ (صفحہ ۵۴۔۴)

تجربہ کی بنا پر کہتا ہوں کہ جب تک اہل اللہ کی صحبت نہ ہو، بزرگی تو کیا انسانیت بھی نہیں آتی اور بزرگی اگر آ بھی جائے، مگر انسانیت پیدا نہیں ہو سکتی۔ (صفحہ ۲۳ جلد ۴)

نفس کی مخالفت کرنا

ایک سوال تھا، اگر کوئی شخص اپنے اخلاص سیئہ اور رزائل نفس کی اصلاح نہ کرائے اور وہ رزائل اس کے اندر ہمیشہ موجود رہیں تو کیا قیامت میں اس سے مواخذہ ہوگا، فرمایا، دیکھنا یہ ہوگا کہ فرد نے نفس کے ان تقاضوں پر عمل بھی کیا ہے یا نہیں۔ اگر ان جذبات پر عمل کیا ہے پھر تو اس سے مواخذہ ہوگا۔ اگر عمل نہیں کیا ہے اور ان رزائل کے تقاضوں کی مخالفت کرتا رہا ہے تو اس سے مواخذہ نہ ہوگا۔ مثلاً غصہ کا مرض تھا، اس مرض کے علاج کی ضرورت تھی، مگر مرض کی اصلاح نہ کرائی گئی، مگر غصہ کے تقاضوں پر عمل بھی نہیں کیا گیا، بلکہ غصہ کے موقعہ پر ہمیشہ ضبط سے کام لیا گیا ہو تو اگرچہ غصہ کا مرض موجود رہا، مگر چوں کہ بے جا غصہ کے تقاضے پر عمل نہیں ہوا، اس لئے مواخذہ نہ ہوگا۔

حاصل یہ ہے کہ منفی خواہش پر مواخذہ نہ ہوگا، بلکہ مواخذہ، افعال واعمال پر ہوگا۔ مگر اس کے باوجود جذبات کی اصلاح کی ضرورت اس لئے ہے کہ ان کی اصلاح سے نفس کی مخالفت اور مقابلہ کرنا آسان ہو جاتا ہے۔ اصلاح نہ کرنے کی صورت میں نفس کا مقابلہ کرنا دشوار ہو جاتا ہے۔

پیر ایرانی شاہ صاحب فرماتے ہیں۔

نفس کا طریقۂ واردات

نفس کے خلاف جہاد آخری وقت جاری رہتا ہے، اس دشمن سے مقابلہ ومجاہدہ کے لئے ہمہ وقت تیار رہنا چاہئے، جس شخص نے نفس کو دبا رکھا ہو، اسے وہ پہلے مرحلہ پر کم درجہ کی خواہشات میں مبتلا کرتا ہے، اسے مباح چیزوں سے مشتبہ چیزوں کی طرف لاتا ہے، پھر آہستہ

آہستہ حرام چیزوں کی طرف راغب کرتا ہے، نفس کی مثال عرب بدو اور اس کے اونٹ کی سی ہے، عرب بدو کے اونٹ نے سردی سے بچنے کے لئے خیمہ میں داخل کرنے کی اجازت طلب کی، اس کے بعد وہ پوری طرح خیمہ میں داخل ہو گیا، نتیجتہ عرب بدو کو خیمہ سے نکلنا پڑا، اس لئے کہ خیمہ چھوٹا تھا۔

جب آہستہ آہستہ نفس کی گرفت طاقتور ہو جاتی ہے تو فرد اور اس کی جسمانی توانائی نفس کے مقابلہ میں کمزور ہو جاتی ہے، ایک وقت ایسا آتا ہے کہ انسان دائرہ انسانیت سے نکل کر حیوان کی طرح شہوت رانی اور حیوانی جذبات سے عبارت بن جاتا ہے اور پھر حیوانیت سے نکل کر دائرہ انسانیت میں داخل ہونا، اس کے لئے دشوار تر ہو جاتا ہے، اس لئے نفس کی خواہش واکساہٹ پر عمل کر کے اسے طاقتور ہونے کا کبھی موقعہ نہیں دینا چاہئے، جب تک نفس مغلوب نہیں ہوتا، اس وقت تک نفس کے کہنے پر مباح چیزوں کے استعمال سے بھی بچنا چاہئے، اس لئے کہ اس سے نفس سے مقابلہ میں جسم کی مدافعانہ قوت کمزور ہو جاتی ہے، جب سالک اعمال صالحہ بجالاتا ہے تو اس میں ہمت آجاتی ہے، کیونکہ وہ نفس کی مخالفت کر کے اسے زیر کر کے صالح اعمال بجالاتا ہے۔

مرضیٔ مولیٰ کے خلاف قوت کا ضعیف ہو جانا

پیر ایرانی صاحب مزید فرماتے ہیں:

جب روح مجلی ہو جاتی ہے تو اس میں چمک پیدا ہو جاتی ہے۔ جس سے اس میں دوسری چیزوں کے عکس نظر آنے لگتے ہیں۔ جب نفس، قلب اور روح بیدار ہو جاتے ہیں۔ یعنی ان کی غفلت ختم ہو جاتی ہے تو مرضیٔ مولیٰ کے برخلاف عمل کی قوت ضعیف ہو جاتی ہے۔

''جسم کو اتنا آرام نہ دو کہ وہ سرکش ہو جائے۔ اسے اتنا آرام دو اور کھلاؤ پلاؤ، جس سے اس کی صحت اور بنیادی توانائی قائم رہے۔ اگر نفس مادی لذتوں کا عادی ہو جائے تو وہ روحانی لذتوں کے لئے تیار نہ ہو سکے گا۔''

''حدیث نفس یعنی نفس کے وسوسے اس وقت شروع ہوتے ہیں، جب سالک بے کار بیٹھا ہوتا ہے اور ذکر وفکر سے غافل رہتا ہے۔ ذکر وفکر سے ذرا سی غفلت ہو تو حدیث نفس شروع ہو جاتی ہے۔ لیکن اگر تم ذکر وفکر میں مصروف ہو اور نفس کو حملہ آور ہونے کا موقعہ نہ دو تو نفس کے وسوسے کالعدم ہو جاتے ہیں۔ حدیث نفس غفلت کا نتیجہ ہوتی ہے۔ اس سے فرد رفتہ رفتہ خطرناک حد تک پہنچ جاتا ہے (یعنی گناہوں کی دلدل میں پھنسنے کے اعتبار سے)''۔

''جب انسانی نفس بشریت وحیوانیت کے مقتضاؤں اور خواہشات کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو اس سے باطن میں کدورت پھیلتی ہے اور انسانی عقل وفہم لطائف باطنی کے ادراک سے قاصر ہو جاتا ہے۔

لطائف پر ذکر سے انسانی جسم میں نورانیت پیدا ہو جاتی ہے اور اس میں ایک خاص بات کا ظہور ہوتا ہے، جس سے دوسرے لوگ محروم ہوتے ہیں۔ نیز اس پر معارف واسرار الہام ہوتے ہیں۔

خیال اگر دل کی طرف مستغرق ہو اور دل ذکر الٰہی میں مصروف ہو تو نفس کو شرارت کا ہرگز موقعہ نہیں ملتا۔ اگر نفس شرارت کرے تو اس طرح کی صورتحال میں اللہ کی طرف رجوع ہو، عاجزی سے گڑگڑاتے رہو۔''

نفس کی ''خصوصیات'' اور اس کے آلات

حضرت سید محمد ذوقیؒ فرماتے ہیں:

ابلیس نفس کی جہت جلالی و گمراہی کا مظہر ہے اور اسے انسان پر نفس ہی کے وسیلہ سے کامیابی حاصل ہوتی ہے۔ شیاطین ابلیس کی اولاد ہیں۔ ابلیس نے نفس طبیعیہ پر قابو پا کر عاداتِ حیوانیہ کی دنیا میں دل کی شہوانی آگ سے نکاح کیا تو شیاطین الانس والجن پیدا ہوئے اور بہ نسبت شیاطین جن کے شیاطین انس زیادہ قوی اور زیادہ خطرناک ثابت ہوئے۔

ابلیس کے وجود میں ننانوے (۹۹) مظاہر ہیں، ساتھ بے شمار تنوعات کے۔ ان میں سے سات مظاہر بطور اصل کے ہیں، بمقابلہ ہفت امہاتِ اسمائے الٰہی کے اور اس میں بھی اہلِ بصیرت کے لئے ایک عجیب نکتہ ہے۔ وہ سات مظاہر حسب ذیل ہیں۔

دنیا ومافیہا: اس میں ابلیس، کفار و مشرکین پر ظاہر ہوتا ہے۔

طبیعت و شہوات ولذات: اس میں وہ مسلمان پر ظاہر ہوتا ہے۔

عُجب: اس میں وہ نیک لوگوں پر ظاہر ہوتا ہے، انہیں اپنے اعمال اچھے معلوم ہوتے ہیں، کسی کی نصیحت ان پر کارگر نہیں ہوتی، ان کے اعمال نیک ہوتے ہیں تو ان اعمال کی عظمت کے وہم میں ان میں تخفیف شروع ہو جاتی ہے پھر رفتہ رفتہ بدخلقی، بدگمانی، غیبت اور فسق وفجور میں وہ لوگ مبتلا ہو جاتے ہیں۔

ریا: اس میں وہ عابدوں اور زاہدوں پر ظاہر ہوتا ہے، ان کے دل میں یہ ڈالتا ہے کہ تیرے اعمال اچھے ہیں۔ انہیں لوگوں پر ظاہر کر، تاکہ لوگ تیرے معتقد بنیں اور تیری پیروی کر کے ہدایت پائیں۔'' رفتہ رفتہ ان کی نیتوں کو فاسد کر کے انہیں ہلاک کر دیتا ہے۔

علم: اس میں وہ علماء پر ظاہر ہوتا ہے۔ علماء پر اسے بمقابلہ جہلاء کے، بڑی جلدی اور بڑی آسانی سے کامیابی حاصل ہوتی ہے۔ ابلیس قسم کھاتا ہے کہ ایک جاہل کے مقابلہ میں ہزار قوی الایمان عالموں کا بہکانا اس کے لئے آسان ہے۔

عادات اور طلب راحت: اس میں وہ سچے مریدوں پر ظاہر ہوتا ہے، ان کی ہمتوں کو شدتِ عبادت میں تھکا ڈالتا ہے، تاکہ وہ لوگ اپنے نفس کی طرف واپس آئیں اور طبیعت کی تاریکی میں پھر گرفتار ہو جائیں۔

معارف الٰہیہ: اس میں وہ صدیقین واولیاء اللہ وعارفین پر ظاہر ہوتا ہے۔ ابلیس ہر ادنیٰ واعلیٰ پر موت کے وقت تک ظاہر ہوتا رہتا ہے اور اعتقادات و تجلیات و فہم میں التباس کرتا رہتا ہے۔ مقربین اس کی مکاریوں کو پہچان لیتے ہیں اور اس کے اثر سے بالکل محفوظ رہتے ہیں۔ بلکہ یہ لوگ جب اس کا مکر پہچان لیتے ہیں تو یہ شناخت ان کی مزید ترقی کا باعث ہوتی ہے۔

ابلیس کے پاس گمراہ کرنے کے حسب ذیل آلات ہوتے ہیں:

غلفت: یہ اس کی تلوار ہے۔

شہوت: یہ اس کا تیر ہے۔

ریاست: یہ اس کا قلعہ ہے۔

جہل: یہ اس کی سواری ہے۔

لہو لعب۔ شرابیں اور فضول قصے کہانیاں: یہ اس کے ہتھیار ہیں۔

عورتیں: یہ اس کا گروہ ہیں، جن سے زیادہ زبردست ہتھیار اس کے قبضہ میں اور کوئی نہیں۔

پھر اس کے حملہ کرنے کے خاص خا+ص موسم اور خاص خاص اوقات بھی ہیں، جن میں اس کی مصروفیت بڑھ جاتی ہے اور اسے کامیابی زیادہ ہوتی ہیں۔ منجملہ ان کے رات ہے اور غصہ کا وقت ہے اور تہمت کا وقت ہے۔ اور جھگڑے کا وقت ہے۔ (صفحہ ۵۲۳ سے ۶۲۳)

داعی وصوفی کی خصوصیات،

ایک نظر میں

داعی وصوفی جن خصوصیات وصفات کا حامل ہوتا ہے، یہاں مختصرًا وہ خصوصیات پیش کی جاتی ہیں۔

- وہ لوگوں کی دنیا وآخرت کی بھلائی کا فکرمند ہوتا ہے اور اس کے لئے ہرممکن حد تک کوشاں بھی۔
- وہ اس فکر کا حامل ہوتا ہے کہ دنیا وآخرت کی ساری کامیابیاں اللہ سے والہانہ محبت کی راہ اختیار کرنے سے وابستہ ہیں۔
- وہ تزکیہ کو بنیادی اور فیصلہ کن اہمیت دیتا ہے، وہ تزکیہ کی دعوت دیتا ہے، تزکیہ کی طرف بلاتا ہے اور افراد کے تزکیہ کا فریضہ سرانجام دیتا ہے اور یہ فریضہ اس طرح سرانجام دیتا ہے کہ اپنے تزکیہ سے کسی بھی مرحلہ پر غافل نہیں ہوتا۔
- وہ دنیاوی زندگی کو متاعِ قلیل سمجھتا ہے، اس کی فکر کا مرکز آخرت کی تیاری ہوتی ہے۔
- اس کی اپنی انفرادی جداگانہ شخصیت نہیں ہوتی، وہ سراپا دعوت ہوتا ہے، وہ اپنی شخصیت کو دعوتی کام اور لوگوں کی تربیت وتزکیہ کے امور میں گم کردیتا ہے اور اس پر یہی فکر سوار ہوتی ہے، وہ دوسرے سارے افکار سے خالی ہوتا ہے۔
- داعی اپنے ذاتی مسائل اللہ کے سپرد کر دیتا ہے، دعوتی کاموں میں فنائیت کی وجہ سے اللہ اس کی ساری ضروریات کے لئے کافی ثابت ہوتا ہے، اس لئے وہ دنیا کے مسائل کے سلسلہ میں لوگوں سے توقعات وابستہ کرنے اور ان کی طرف نظریں جمانے سے محفوظ ہوجاتا ہے۔
- وہ فقر کو پسند کرتا ہے اور فقر کی زندگی کو اپنے لئے سعادت سمجھتا ہے۔

- وہ مالداروں کی صحبت کو اپنے لئے سم قاتل سمجھتا ہے، البتہ جو مالدار راہ محبت کے ذریعہ تزکیہ کی راہ اختیار کرتے ہیں، ان سے وہ محبت کرتا ہے، اس کی نظر میں ایسے افراد، مالدار نہیں، بلکہ فقیر ہیں، اس لئے کہ وہ دنیا کی محبت کو دل سے نکالنے کی راہ پر گامزن ہوتے ہیں۔
- وہ خود احتسابی کے عمل کو فیصلہ کن اہمیت دیتا ہے اور زندگی کے کسی بھی مرحلہ وموڑ پر اپنے احتساب سے غافل نہیں ہوتا۔
- وہ معاشرہ میں موجود دوسرے داعیوں وصوفیوں (اہل اللہ) کے آداب بجالانے کو اپنی سعادت سمجھتا ہے۔
- وہ حالات پر نبض رکھتا ہے، لوگوں کی نفسیات کو سمجھتا ہے، اس لئے وہ دعوتی اور تربیتی کاموں میں حکمت اور حکیمانہ طریقہ سے کام لیتا ہے۔
- اس کا کوئی مخالف اور دشمن نہیں ہوتا، اللہ سے دور افراد کو وہ قابل رحم سمجھتا ہے اور ان کی اصلاح کے لئے دعاگو اور فکرمند رہتا ہے۔
- وہ قیل قال سے زیادہ عمل کا غازی ہوتا ہے، وہ اپنے پاکیزہ کردار سے لوگوں کے سامنے اسلامی نقوش متعین کرتا رہتا ہے۔
- وہ کینہ، حسد اور بدگمانی وغیرہ سے ہرممکن حد تک محفوظ رہنے کے لئے کوشاں ہوتا ہے۔
- معاشرہ وافراد معاشرہ کے بگاڑ پر اس کی تنقید میں بھی دردمندی اور محبت کا پہلو غالب ہوتا ہے، اس کی تنقید سے مخالفوں میں ضد پیدا ہوجانے کے بجائے غوروفکر کرنے کا پہلو اجاگر ہوتا ہے۔
- وہ وحدت امت کے تصور کو فروغ دینے کا ذریعہ بنتا ہے اور امت کو گروہوں میں تقسیم کرنے اور امت پن سے ہٹ کر اپنا گروہ مستحکم کرنے کا متحمل نہیں ہوتا۔
- وہ قرآن وسنت اور سیرت پاک کو فیصلہ اہمیت دیتا ہے، اس کی بنیادی رہنمائی کی ماخذ یہی مقدس چیزیں ہوتی ہیں۔
- وہ معاشرہ میں دنیاداری کی بڑھتی ہوئی رَو سے متاثر نہیں ہوتا۔ وہ دنیا سے بے

نیازی کی روش پر مستقل مزاجی سے گامزن ہوتا ہے۔

- وہ آسائش اور آرام دہ زندگی کے لئے تاویلات کا سہارا ہرگز نہیں لیتا۔
- چونکہ دوسروں کی تربیت کا کام اس کے سپرد ہوتا ہے، اس لئے وہ اپنے قول وعمل سے غلط اور غیر معیاری نمونے اور غیر معیاری مثالیں پیش نہیں کرتا۔
- چونکہ دعوتی وتربیتی کام اس کا اوڑھنا بچھونا ہوتا ہے،اس کے باوجود وہ شہرت اور اس کے ذرائع سے دور رہتا ہے۔
- وہ اپنے معیار زندگی کو متوسط افراد کے معیار زندگی سے بلند رکھنے کا روادار نہیں ہوتا۔
- وہ اشتعال، جھنجھلاہٹ اور غصہ کے مواقع پر بھی حالت اعتدال اور حالت ٹھہراؤ میں ہوتا ہے۔
- وہ اپنے آپ کو مٹا چکا ہوتا ہے، اس لئے وہ معاشرے میں اپنے لئے نمایاں حیثیت قبول کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتا۔
- اللہ کی شان عظمت کا غلبہ اس کو آخرت میں اللہ سے ملاقات کے حوالے سے بہت زیادہ متفکر کردیتا ہے۔
- وہ ان خام داعیوں اور خام صوفیوں کو (جو شہرت اور دنیا بنانے کے لئے فکرمند ہوتے ہیں) قابل رحم سمجھتا ہے اور ان کے لئے دعا گو ہوتا ہے۔
- وہ تنقید برائے تنقید یا تنقید برائے حصول لذت سے بڑی حد تک محفوظ ہوتا ہے، اس کی تنقید میں اصلاح کا جذبہ کارفرما ہوتا ہے۔
- وہ افراد کو ہر وقت دستیاب ہوتا ہے اور اس حوالے سے وہ عذر وبہانے تراشنے سے بچنے کے لئے کوشاں ہوتا ہے۔

اکابر اہل اللہ کے اقوال

اہل اللہ کے اقوال بڑی اہمیت کے حامل ہوتے ہیں اور وہ دل پر اثر انداز ہوتے ہیں، اس کا سبب یہ ہے کہ وہ نفس کے خلاف مجاہدہ کرکے، اسے مفتوح کر چکے ہوتے ہیں، اور وہ اسلامی شریعت کی ظاہری اور باطنی تعلیمات کا زندہ عملی نمونہ ہوتے ہیں۔

یعنی ان کی زندگی اسلامی شریعت سے پوری طرح ہمہ آہنگ ہوتی ہے، تضادات سے پاک شخصیتوں کے دل سے جو باتیں نکلتی ہیں، وہ معرفت نفس کی شاہکار ہوتی ہے۔

اہل اللہ کے اقوال میں قرآن وسنت کا نچوڑ اور اس کا نور شامل ہوتا ہے، اس لئے ان کے اقوال کے مطالعہ سے فرد اپنے باطن میں تہلکہ برپا ہوتے ہوئے محسوس کرتا ہے۔

اہل اللہ، نفس پرستی کی قوتوں کے رازدان ہوتے ہیں، اس لئے وہ نفس کی قوتوں کی مخفی سے مخفی چوری پکڑ لیتے ہیں اور وہ نفسیات کی گہرائیوں میں ڈوب کر تحلیل نفسی کا کارنامہ سرانجام دیتے ہیں، نفس کے خلاف اہل اللہ کے مجاہدے اتنے زیادہ ہوتے ہیں کہ ان کی نفسی قوتوں پر روح پوری طرح غالب ہوتی ہے اور ان کی روحانی لطافت نفس پر حاوی ہوتی ہے۔

اکابر اہل اللہ کے اقوال کی اس اہمیت کے پیش نظر یہاں ان کے کچھ اقوال پیش کئے جاتے ہیں، بعض اقوال کی ہم نے بریکیٹ میں تشریح بھی کرنے کی کوشش کی ہے۔

حضرت حسن بصریؒ کے اقوال

- حضرت حسن بصریؒ نے سعید بن جبیر کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا، تین کام کبھی نہ کرنا (۱) بادشاہوں کی بساط پر کبھی قدم نہ رکھنا، اگرچہ وہ شفقت کریں۔ (۲) کسی عورت کے ساتھ خلوت میں نہ بیٹھنا، خواہ وہ رابعہ وقت ہو اور تو اسے کتاب اللہ کی تعلیم دیتا ہو۔

(۳) مزا میر نہ سننا، اگرچہ تو بزرگی کا درجہ رکھتا ہو، اس لئے کہ یہ آفت سے خالی نہیں، بالآخر اپنے زخم لگادیتی ہے۔

- فقیہ وہ ہے، جو دنیا سے پرہیز کرے، اپنے گناہوں کو دیکھے، اپنے رب کی عبادت کا پورا پابند ہو، جس نے دولتمند کی عزت کی، اللہ نے اسے ذلت دی۔

- دنیا تمہاری سواری ہے، اگر تم اس پر سوار ہوگئے تو یہ تمہیں لئے چلے گی، اگر وہ تم پر سوار ہوگئی تو وہ تمہیں ہلاک کرکے چھوڑے گی۔

-عقلمند وہ ہے، جو دنیا کو خراب کرکے آخرت کو بنائے، جو بات کسی کو کہنی ہو، لازم ہے کہ فرد پہلے خود اس پر عمل کرے، میرے نزدیک دین کے بھائی، بیوی بچوں سے زیادہ عزیز ہیں، اس لئے کہ وہ دین کے ساتھی ہیں اور بیوی بچے دنیا کے ساتھی اور دین کے خلاف ہیں۔

- ایک دن آپ گھر میں رو رہے تھے، لوگوں نے عرض کیا کہ آپ پرہیزگار زندگی بسر کررہے ہیں، پھر کیوں روتے ہیں۔ فرمایا، ممکن ہے بے قصد و بے علم مجھ سے کوئی ایسا کام سرزد ہوگیا ہو اور میں نے ایسی جگہ قدم رکھا ہو، جو اللہ تعالیٰ کو پسند نہ ہو۔

-کسی شخص نے آپ سے آپ کا حال پوچھا، فرمایا، ان لوگوں کا کیا حال ہوگا، جو دریا میں ہوں اور کشتی الٹ جائے اور ہر شخص کو تخت کا ایک ٹکرہ مل جائے، اس شخص نے کہا کہ ان لوگوں کا بہت بُرا حال ہوگا، آپ نے فرمایا، میرا بھی یہی حال ہے۔

-فرد، دنیا میں جتنی ملول اور غمگین زندگی بسر کرے گا، اسی مناسبت سے اس کے عمل صالح کی آبیاری ہوگی۔

-جو شخص ہر وہ بات، جو منہ آئے کہہ دیتا ہے، وہ اپنے آپ کو ہلاک کردیتا ہے۔

دنیا کا عذاب یہ ہے کہ فرد کا دل مردہ ہوجائے (یعنی اس میں اللہ کی معرفت کی بات سننے کی طلب موجود نہ رہے۔ مرتب)۔

جو آج بے خوف ہے، کل اسے ڈرایا جائے گا، جو آج ڈرتا ہے، وہ کل بے خوف ہوگا۔

- نفس سے بڑھکر دنیا میں منہ زور اور بدلگام جانور کوئی نہیں ہے۔

- دولت وہی شخص طلب کرتا ہے، جسے اللہ ذلیل کرے۔

- جو دوسروں کی باتیں تم سے بیان کرتا ہے، وہ تمہاری باتیں دوسروں سے ضرور کہے گا۔

- مومن کی شان یہ ہے کہ اس کی صبح ہوتی ہے، وہ ملول اور غمگین ہوتا ہے اور اس کی شام ہوتی ہے تو وہ ملول و غمگین ہوتا ہے۔ (اس لئے کہ اس پر اللہ کے سامنے پیش ہوکر وقت، صلاحیتوں اور توانائیوں کے استعمال کے بارے میں حساب کتاب پیش کرنے کا احساس غالب ہوتا ہے۔ مرتب)۔

حضرت بایزید بسطامی کے بیان کردہ اہم نکات

میں بارہ سال تک جنگلوں میں نفس کے حق میں لوہا بنارہا۔ اور نفس کو ریاضت کی بھٹی میں ڈال کر مجاہدہ کی آگ سے گرم کرکے، ملامت کے ہتھوڑے سے کوٹتا رہا۔ آخر کار میں نے اسے آئینہ بنالیا، پانچ سال آئینہ بنانے میں صرف ہوگئے۔ اور طرح طرح کی عبادات وریاضیات سے اس آئینہ کو صیقل کیا، پھر ایک سال اسے اغیار کی نظر سے دیکھا، پھر بھی اس کو غرور اطاعت کے بھروسے اور عمل کی خودپسندی میں مبتلا دیکھا، پانچ سال اور کوشش کی، پھر جب اسے دیکھا تو وہ مردہ تھا۔

-میں نے سارے ہاتھوں (یعنی ساری کاوشوں) سے اللہ تک پہنچنے کی کوشش کی، لیکن جب تک مصیبتوں کے ذریعہ اسے تلاش نہ کیا، وہ نہ ملا، میں سارے قدموں سے اس کی راہ میں گیا، لیکن جب تک دل کے قدموں سے نہ گیا، منزل پر نہ پہنچ سکا۔

- سچا عابد اور سچا عامل وہ ہے، جو مجاہدوں کی تلوار سے اپنی ساری مرادوں کو قتل

کرے اور ساری خواہشات وتمناؤں کو اللہ کی محبت میں فنا کردے۔ (مجاہدوں کے ذریعہ خواہشات کی مکمل طور پر پامالی اور محبوب کی رضا پر راضی رہنے کی نفسیات کی پختگی کے بغیر کام نہیں بنتا اور طالب کو طویل عرصہ تک نفس سے معرکہ آرائی کے لئے تیار ہونا پڑتا ہے۔ مرتب)

- عارف کی خاموشی سے مطلب ہوتا ہے کہ (وہ دل کی گہرائیوں سے) محبوب سے گفتگو کرے، آنکھوں کو بند کرنے سے اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ محبوب کا مشاہدہ کرے۔

- کوئی گناہ تمہیں اتنا نقصان نہیں پہنچا سکتا، جس قدر ایک مسلم بھائی کو بے عزت کرنا۔

۔ایک مرید نے وصیت طلب کی تو فرمایا: تین خصلتوں کا خیال رکھنا۔

اوّل: کسی بداخلاق سے واسطہ پڑے تو اس کی بدخلقی کو اپنی خوش خلقی کے ذریعہ تبدیل کرنا، دوم: اگر کوئی احسان کرے تو اول اللہ کا شکر ادا کرنا، اس کے بعد محسن کا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ ہی نے اس کے دل کو مہربان کیا ہے، سوم: اگر مصیبت پیش آجائے تو فوراً اپنی عاجزی کا اقرار کرنا۔

- آپ سے پوچھا گیا: بندہ کمال کو کس وقت پہنچتا ہے، فرمایا، اس وقت جب وہ اپنے عیبوں کو پہنچانے اور مخلوق سے کسی قسم کی طمع نہ رکھے۔ (ہر وقت اپنے عیبوں کو پیش نظر رکھنا اور مخلوق سے طمع نہ رکھنا، یہ ایسی خصوصیات ہیں، جو تصوف کی ریاضتوں کا حاصل ہیں، لیکن یہ خصوصیات آخر وقت تک اندر میں ڈوبتے رہنے اور مسلسل خوداحتسابی سے کام لیتے رہنے کے نتیجہ میں ہی برقرار رہتی ہیں، ورنہ کسی بھی وقت فرد کے گرنے کا خطرہ لاحق رہتا ہے۔ مرتب)

- پوچھا گیا متکبر کون ہوتا ہے؟ فرمایا، جسے ساری کائنات میں اپنا نفس زیادہ اچھا نظر آئے۔

حضرت سید عبدالقادر جیلانیؒ کے فرمودات

- پیر میں یہ پانچ صفات نہ ہوں تو وہ دجال ہے، پیر نہیں ہے۔ ایک یہ کہ پیر ظاہری شریعت کا عالم ہو، دوم وہ علم حقیقت سے آشنا ہو، سوم اپنے ساتھ آنے والوں کے ساتھ عمدگی اور خندہ پیشانی سے برتاؤ کرتا ہو اور مسافروں کو کھانا کھلاتا ہو۔ چہارم یہ کہ غربا اور بے حیثیت افراد سے قولاً وفعلاً عاجزی اور انکساری سے پیش آتا ہو۔ پنجم یہ کہ مریدوں کی باطنی تربیت وتعلیم کی صلاحیت رکھتا ہو اور خود ریا، حسد، طمع، خود بینی، غفلت اور عیش طلبی سے پاک ہو۔

- مجھے فرائض کے بعد محتاجوں اور مہمانوں کو کھانا کھلانے اور عام وخاص کے ساتھ حسن اخلاق سے پیش آنے سے زیادہ کوئی بہتر کام معلوم نہیں ہوتا، اگر میں ساری دنیا کی دولت کا مالک ہوجاؤں تو وہ ساری کی ساری بھوکوں کو کھانا کھلانے اور محتاجوں کی مدد میں صرف کردوں۔

- کسی نے دریافت کیا، فقیر کی معنیٰ کیا ہیں۔ فرمایا ''ف'' سے مراد ما سوا اللہ سے دل کو فارغ کرکے ذات الٰہی میں فنا ہوجانا ہے۔ ''ق'' سے مراد اپنے قلب کو اللہ کی حب سے مستحکم کرنا اور اس کی رضامندی ورضا جوئی پر قائم ہوجانا ہے، ''ی'' سے مراد اللہ سے امید رکھنا اور دل میں اس کا خوف ہونا ہے اور ''ر'' سے مراد رقت قلب اور رجوع الی اللہ ہے۔ یعنی نفسانی خواہشوں سے دستبردار ہوکر اللہ کی طرف رجوع ہوجانا۔

- اپنے دل کے دروازہ پر دربان بن جاؤ، جس کے جانے کا اللہ حکم دے، اس کو اندر جانے دو، جس سے روکے، اس سے رک جاؤ، دلوں کی خواہشوں کو زیادہ نہ بڑھاؤ، ورنہ ہلاک ہوجاؤگے۔ کسی حال اور مقام پر بھروسہ کرکے یہ نہ سمجھ لینا کہ ہمیشہ اس (حال ومقام) پر قائم رہنا ہے، کیونکہ تغیر وتبدیلی لازمی ہے۔

(اپنے دل کے دربان بن جانے کا مطلب یہ ہے کہ کثرت ذکر کے نور سے جب

دل بیدار ہوکر ہر گناہ اور ہر نیکی کے بارے میں فتویٰ دینے لگتا ہے تو اس کے اس فتویٰ پر عمل میں تاخیر سے ہرگز کام نہیں لینا چاہئے، ورنہ دل کے فتویٰ کا عمل رک جائے گا، نیکی پر دل خوش ہوتا ہے، گناہ پر وہ اذیت سے سرشار ہوتا ہے۔ دل کی مسلسل نگرانی کرتے رہنے کی ضرورت ہے۔

دل کی زبان بن جانے کا دوسرا مفہوم یہ بھی ہے کہ دنیاوی کاموں میں مصروفیت کی وجہ سے اگر دل کی توجہ ہٹنے لگے اور دل، معاملات میں زیادہ الجھنے لگے تو پھر فوراً دل میں غوطہ زنی کا عمل شروع کردینا چاہئے، تاکہ انوار الٰہی سے اخذ کی دل کی صلاحیت پھر طاقتور ہو سکے۔

اس ملفوظ میں ایک اہم نکتہ یہ بیان ہوا ہے، کہ کسی بھی حال اور مقام کو مستقل نہیں سمجھنا چاہئے، حالات وکیفیات میں ادل بدل آخری سانس تک جاری رہتا ہے۔ معرفت میں ارتقا کے نہ ختم ہونے والے مقامات طے ہوتے رہتے ہیں۔ جوں جوں فرد آگے بڑھتا ہے، اسے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی پچھلی حالت تو موجودہ حالت سے زیادہ کمزور تھی، راہ محبت میں ادل بدل اللہ کی ایسی سنت ہے، جو سب کے ساتھ جاری رہتی ہے اور کوئی بھی اس سے مستثنا نہیں۔ مرتب)

- پوچھا گیا، بقا کیا ہے؟ فرمایا، بقائے رب ہے اور وہ حجاب نفس کی دوری کے بغیر حاصل نہیں ہوتی اور نفس کا حجاب دور نہیں ہوتا، جب تک کہ باہر کی دید سے نگاہ نہ اٹھائی جائے اور اپنے نفس کی دید میں مصروف نہ ہوا جائے۔

(یہاں بقا کی بہت عمدہ تشریح کی گئی ہے کہ جب نفسی حجابات دور ہوجاتے ہیں اور تزکیہ ہوجاتا ہے اور فرد اخلاق حسنہ کا حامل ہوجاتا ہے تو اسے بقا کی دولت عظمیٰ عطا ہوتی ہے۔ بقا کا مطلب قلب میں اللہ کے استحضار کا موجود ہونا ہے، ہر وقت اس کی فکر کا غالب ہونا ہے۔ بقا کی یہ حالت نفس کے خلاف شدید معرکہ آرائی کے بغیر حاصل نہیں ہوتی۔ نفس

کے خلاف معرکہ آرائی میں کامیابی اس وقت ہی حاصل ہوسکتی ہے، جب باہر کی دید سے نگاہ اٹھالی جائے، یعنی سارے تفکرات کو ایک ہی فکر محبوب کی فکر میں تبدیل کردیا جائے۔ سارے کاموں پر ذکر وفکر کے کام کو مقدم رکھا جائے۔ حالت فنا میں اندر میں غوطہ زنی اور احتساب نفس کا عمل مسلسل جاری رہتا ہے، حالت بقا میں اس عمل میں استقامت نصیب ہوکر، بقائے رب کی صورت پیدا ہوتی ہے۔ (مرتب)

- عارفوں کو عظمت الٰہی کی ہیبت سے خوف ہوتا ہے اور یہ خوف کبھی زائل نہیں ہوتا، اس لئے کہ عارف کے سامنے عظمت رب کبھی زائل نہیں ہوتی۔

(یہاں عظمت رب کے سلسلہ میں عارفوں کے حالات کی بہت خوب نشاندہی فرمائی ہے کہ ان پر ہر وقت محبوب کی شان عظمت کا احساس غالب رہتا ہے۔ اور عظمت رب کے غلبہ کی وجہ سے ان پر خوف کی حالت غالب رہتی ہے، جو ہر وقت موجود ہوتی ہے اور کبھی زائل نہیں ہوتی۔ اس خوف میں امید کی آمیزش بھی شامل رہتی ہے۔)

- رجا (امید) کے بارے میں فرمایا، اولیاء اللہ کی رجا پروردگار کے ساتھ ایک حسن ظن ہے، جس کو نفع وضرر سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ مگر اس رجا میں خوف بھی ساتھ لگا ہوا ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا ہے کہ اگر مومن کے خوف وامید کو تولا جائے تو دونوں کا وزن برابر ہوگا۔

- دنیا نے تجھ جیسے ہزاروں کو پالا اور موٹا تازہ کیا اور پھر خود ہی اپنی خوراک بنالیا۔

- مومن کے لئے سونا مناسب نہیں، جب تک اپنا وصیت نامہ سرہانہ نہ رکھے۔

- دنیا کو دل سے نکال کر ہاتھ میں پکڑ لو، یعنی دولت کماؤ، مگر اسے ہاتھ ہی میں رکھو، اسے دل پر قبضہ کرنے نہ دو۔ (تصوف کی ریاضتوں کے نتیجہ میں سب سے آخر میں جو چیز نکلتی ہے، وہ حب مال وحب جاہ ہے۔ مجاہدوں میں اگر کمی رہ گئی، فرد، فنا کے حقیقی مقام تک نہیں پہنچا اور بزرگی کے مقام پر فائز ہوا تو بزرگی کے روپ میں حب مال اور

حب جاہ کے جذبات اس پر غالب آئے بغیر نہیں رہتے۔ مرتب)

- جس نے مخلوق کی طرف منہ کیا، اس نے خالق کی طرف سے پیٹھ پھیر دی۔

- لوگوں کی نظروں میں اپنا وقار قائم رہنے دو، ورنہ افلاس کو ظاہر کرنے سے اہل دنیا کی نظروں میں گر جاؤ گے۔

- آخرت کو دنیا پر مقدم رکھنے والے کے لئے دنیا وآخرت دونوں میں فائدہ ہی فائدہ ہے اور دنیا کو آخرت پر مقدم کرنے والے کے لئے دونوں میں خرابی ہی خرابی ہے۔

- جو مخلوق کا ادب نہیں کرتا، وہ خالق کا ادب کرنے کا دعویٰ نہ کرے اور جو اپنے نفس کو تعلیم نہیں دے سکتا، وہ دوسروں کو تعلیم دینے کی سعی نہ کرے۔

- اخلاص اس چیز کا نام ہے کہ لوگوں کی تعریف یا مذمت کا کچھ خیال نہ کیا جائے۔ (لوگوں کی تعریف وملامت سے بے نیاز ہونا اور اس بے نیازی میں استقامت کا حاصل ہونا، یہ علامت ہے راہ سلوک میں پختگی کی، بلکہ راہ سلوک طے ہونے کی۔ یہ سعادت آسانی سے حاصل نہیں ہوتی۔ مرتب)

- اپنے لقمے کی اصلاح کر، اس لئے کہ نیک اعمال کی اصل بنیاد یہی ہے۔

- دولتمندوں کے ساتھ وقار وغلبہ سے ملو اور درویشوں کے ساتھ عجز وانکسار سے پیش آؤ۔

حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کے اقوال

- راستہ چلنے والوں کے لئے اول راہ شریعت ہے۔ جب طالبان راہ شریعت میں رہیں اور ذرہ برابر تجاوز وتفاوت نہ کریں تو طریقت تک پہنچتے ہیں۔ پھر جب اس مرتبہ پر قائم ہوجاتے ہیں۔ اور فرمان طریقت سنت سابقین پوری طرح سے بجالاتے ہیں تو مرتبہ معرفت تک پہنچتے ہیں۔ اور جب اس مقام کی روشنی اور شناخت پیدا ہوجاتی ہے اور ثابت قدم ہوجاتے ہیں تو مرتبۂ چہارم یعنی حقیقت میں گذر ہوتا ہے۔ اس مقام کو طے کرنے

کے بعد مراد حاصل ہوتی ہے۔

- بارگاہ خداوندی میں نماز سے قرب حاصل ہوتا ہے۔ نماز عبد ومعبود کے درمیان راز ہے۔ اور معراج المومنین ہے۔

- نماز میں جس قدر اطمینان، حضوری اور مشغولی ہو، اسی قدر قرب الٰہی حاصل ہو۔

- قرآن مجید کا دیکھنا ثواب، پڑھنا اور سمجھنا ثواب ہے، حرف پر نگاہ پڑے، دس بدیاں دور ہوں۔ اور دس نیکیاں درج ہوں۔ آنکھ کی روشنی بڑھے۔ اور آنکھ کی بیماریوں سے نجات ملے۔

- جس نے نعمت پائی سخاوت سے پائی۔

- حاجت روائی کے لئے الحمد شریف بکثرت پڑھنا چاہیئے۔

- بھوکوں کو پیٹ بھر کر کھلانا۔ غربا کی فریاد سننا اور حاجت روائی کرنا، درماندوں کی دستگیری کرنا، عذاب دوزخ سے بچنے کی بہترین تدابیر ہیں۔

- جو ورد یا وظیفہ مقرر کیا جائے، وہ اگر دن میں نہ ہو سکے تو رات میں پڑھنا چاہیئے، ورد کا تارک لعنتی ہوتا ہے۔ (واضح ہو کہ راہ سلوک کے طالب اگر ذکر وفکر شروع کرکے نہ کریں گے تو ان کے دل پر حشر برپا ہوگا۔ اور ذکر سے محرومی والا دن ان کے لئے قیامت خیز ثابت ہوگا۔ مرتب)

- نیکوں کی صحبت نیک کام سے بہتر ہے۔ اور بدوں کی صحبت بدکام سے بدتر ہے۔

- حدیث رسول ہے کہ وہ شخص ضعیف ترین ہے، جو اپنی بات پر قائم نہ رہے۔

- گناہ اتنا نقصان نہیں پہنچاتا، جتنا مسلمان بھائی کو ذلیل وخوار کرنا۔

- قبرستان میں کھانا، پینا اور ہنسنا نہیں چاہیئے۔ کیونکہ یہ مقام عبرت کا ہے۔ اور جو ایسا کرتے ہیں، وہ سنگدل اور منافق ہوتے ہیں۔

- بدبختی کی علامت یہ ہے کہ گناہ کرکے امیدوار قبولیت رہے اور گناہ کو ہیچ سمجھے۔

- خود پرستی ونفس پرستی ہی دراصل بت پرستی ہے۔ اس کو ترک کرنیکے بعد اللہ پرستی کی منزل شروع ہوتی ہے۔ (اہل اللہ کی نظر میں بندہ مومن کا کام خود پرستی ونفسی پرستی کی قوتوں کے خلاف معرکہ آرائی ہی سے شروع ہوتا ہے، اس کے بغیر دین کے نام پر جو بھی کام ہوگا، اس میں نفسی قوتوں کی آمیزش شامل ہوئے بغیر رہ نہیں سکتی ۔ مرتب)

- سب وقتوں میں عمدہ وقت وہ ہے، جو وسوسوں اور خطرات سے پاک ہو۔

(راہ سلوک کا سفر وسوسوں سے شروع ہوتا ہے، آخر میں جاکر وسوسے قطع ہوجاتے ہیں۔ مرتب)

- دنیا میں دو چیزیں خوشتر ہیں۔ صحبت فقراء اور حرمت اولیاء۔

- اللہ کا دوست وہ ہے، جس میں تین اوصاف ہوں۔ سخاوت دریا جیسی۔ شفقت آفتاب کی طرح اور تواضع زمین کی مانند۔

- دوستی نام ہے، دل سے ذکر کرنے کا، دل، ذکر ہی کے لئے بنایا گیا ہے۔

- بندہ مومن تین چیزوں کو دوست رکھتا ہے۔ کم فقر وفاقہ۔ دوم بیماری اور سوم موت۔ (جو بندہ ان تینوں خصوصیات وسعادتوں کا حامل ہوجائے، اس کی سعادت کا کوئی ٹھکانہ ہی نہیں۔ مرتب)

- جس کو اللہ دوست رکھتا ہے، اس پر بلا نازل ہوتی ہے۔ (اللہ کے دوستوں پر مصیبت، تکلیف، بیماری، افلاس وغیرہ یہ ان پر محبوب کا انعام اور تحفہ ہوتا ہے، جس کے ذریعہ انہیں مستحکم کیا جاتا ہے اور محبوب کے وصال تک پہنچایا جاتا ہے۔ مرتب)

- عارف کے لئے تین ارکان ضروری ہیں ہیبت۔ تعظیم اور حیا۔ گناہوں سے شرمندہ ہونا ہیبت ہے۔ طاعت کرنا تعظیم ہے اور اللہ کے سواء کسی پر نظر نہ ڈالنا حیا ہے۔

- سب سے پہلی چیز جو انسان پر فرض ہوئی، وہ معرفت ہے، جیسا کہ الا لیعبدون سے ظاہر ہے۔ (معرفت کے بغیر خود شناسی اللہ شناسی حاصل نہیں ہوتی۔ مرتب)

- توبہ کے چند مقام ہیں۔ جاہلوں سے دور رہنا۔ باطل کو ترک کرنا۔ منکروں سے روگردانی کرنا۔ محبوب سے محبت رکھنا، خیرات کرنا۔ توبہ کو درست کرنا۔

- جن چیزوں سے اللہ تعالیٰ دشمنی رکھتا ہے، ان سے دشمنی رکھنا ضروری ہے۔

- اہل معرفت کی عبادت پاس انفاس ہے۔

- خواجگان چشت میں بعض نے پندرہ درجہ سلوک کے مقرر کئے ہیں۔ اور ان میں سے پانچواں کشف وکرامات کا ہے۔ لیکن جب تک کل پندرہ درجے طے نہ ہوں، اپنے آپ کو ظاہر نہ کرنا چاہئے۔ (یعنی سلوک کی پوری طرح تکمیل کے بغیر بزرگی کے مقام پر فائز نہیں ہونا چاہئے، اس لئے کہ اس صورت میں نفس غالب ہوگا اور بزرگی، فتنۂ نفس کا ذریعہ بن جائے گی۔ مرتب)

- عارف کے لئے یہ ایک ادنےٰ بات ہے کہ ملک ومال سے بیزار ہوجائے۔

- اہل عرفان، یاد خدا کے سوا اور کوئی بات زبان سے نہیں نکالتے۔ (عارفوں کو محبوب کے ذکر اور محبوب کی باتوں کے علاوہ دوسری باتوں سے اذیت ہوتی ہے، اس لئے کہ وہ محبوب کے ذکر کے ذریعہ ایسی حلاوت سے آشنا ہوتے ہیں، جس کا بدل دنیا کی کوئی حلاوت نہیں ہوسکتی۔ مرتب)

- عارفوں کی خصلت محبت میں اخلاص ہے۔

(محبت، جب اخلاص سے سرشار ہوجاتی ہے اور اس میں نفس کی ساری ملاوٹیں ختم ہوجاتی ہیں تو طالب کا کام بن جاتا ہے۔ (مرتب)

- متوکل وہ ہے، جو خلقت سے آزار ورنج پہنچ جانے پر شکایت وحکایت نہ کرے۔

(لوگوں سے تکلیف پہنچنے پر صبر سے کام لینا، بلکہ انہیں دل سے معاف کرنا اور ان کے لئے دعا کرنا، یہ بڑا مقام ہے، جو مجاہدوں اور اللہ کے فضل خاص ہی سے عطا ہوتا ہے۔ مرتب)

- یقین وہ نور ہے، جس سے بندہ منور ہوجاتا ہے۔

- عاشق کا دل آتشکدۂ محبت ہے، اس میں جو آئے، اسے جلاکر خاک کردیتا ہے، کیونکہ عشق کی آگ سب آگوں سے تیز ہے۔(عارف آتش عشق سے سرشار ہوتا ہے، عشق کی منافی ساری چیزیں اس میں جل جاتی ہیں، اس طرح عاشق خالص محبوب کا بن جاتا ہے۔مرتب)

- دوست کے اسرار حسین ہوتے ہیں، اس لئے عاشق کے دل میں قیام کرتے ہیں۔

- حق (اللہ تعالیٰ) کی دوستی کی خاطر دونوں جہاں لٹا دینا آسان ہے۔

- دل وہ ہے جو اپنے حال سے خالی ہو۔اور مشاہدہ حق میں باقی ہو۔

- عارف وہ ہے، جس کو رات کی بات یاد نہ ہو۔(یعنی عارف پر محبوب کا اتنا غلبہ ہوتا ہے کہ اس کا دل دنیاوی باتوں کا متحمل نہیں ہوتا۔(مرتب)

- عارف اس وقت تک روتا ہے، جب تک کہ راہ میں ہوتا ہے، جب حقائق کے قریب پہنچتا ہے اور اسے وصال حاصل ہوجاتا ہے تو گریہ نہیں کرتا۔

(وصال کے مقام کے حصول کے بعد عاشق میں ٹھیراؤ آجاتا ہے، اس سے پہلے وہ سراپا آنسو بن جاتا ہے۔مرتب)

- عشق ومحبت میں گفتگو، حرکت اور مشغلہ اس وقت تک ہوتا ہے، جب تک کہ باہر رہیں۔ جب اندر داخلہ ہوتا ہے تو خاموشی، سکوت اور آرام میسر ہوجاتا ہے اور فریاد وشور باقی نہیں رہتا۔ (جب طالب راہ عشق میں داخل ہوکر، مجاہدوں سے کام لیتا ہے اور کچھ آگے چلتا ہے تو وہ سراپا جہد بن جاتا ہے اور سکینت سے سرشار ہوجاتا ہے اور اس کی قیل وقال ختم ہوجاتی ہے اور بے خودی کی حالت میں بھی کمی آنا شروع ہوجاتی ہے۔مرتب)(ماخوذ : سوانح خواجہ معین الدین

چشتیؒ تصنیف: وحید احمد مسعود، صفحہ ۲۸۸ تا ۲۹۳)

حضرت فرید الدین شکر گنجؒ کے فرمودات

- فقراء، اہل عشق ہیں اور علماء اہل عقل، لیکن کامل وہی ہیں، جن میں یہ دونوں چیزیں موجود ہوں۔

- اپنا معاملہ صرف اللہ کے ساتھ رکھو، اس لئے کہ سب لیتے ہیں، جب کہ وہ دیتا ہے اور جو وہ دیتا ہے، اسے کوئی نہیں لے سکتا۔

- درویشی کا کوئی مقام ایسا نہیں، جو خوف وامید سے خالی ہو۔

- فقیر کے لئے سب سے مضر شے دولتمند کی صحبت ہے۔

- آسودگی کی خواہش ہو تو حسد سے دور ہو۔

- درویشی، پردہ پوشی کا معاملہ ہے اور درویش کو ان چار چیزوں سے بچنا چاہئے۔ اول لوگوں کے عیب تلاش نہ کرے۔ دوم جو باتیں سننے کے لائق نہیں، وہ نہ سنے، جو کہنے کے لائق نہیں، وہ نہ کہے اور جہاں جانا مناسب نہ ہو، وہاں نہ جائے۔

- اگر لوگوں کو علم (یعنی معرفت) کی قدر وقیمت کا پتہ چل جائے تو سارے کام چھوڑ کر معرفت کے پیچھے لگ جائیں۔

- مومن کا دل پاک زمین کی طرح ہے، اگر اس میں محبت کا بیج بویا جائے تو قسم قسم کی نعمتیں پیدا ہوتی ہیں۔

جب تک تو سانپ کی طرح کینچلی نہ نکالے، محبت حق کے دعویٰ میں صادق نہیں ہو سکتا۔

- جو شخص اللہ سے جتنا غافل ہوگا، وہ اتنا ہی زیادہ دنیا میں مبتلا ہوگا۔(اللہ کے ذکر سے غفلت اپنے ساتھ دنیا کے تفکرات لاتی ہے اور مال ودولت کے بارے میں حساسیت پیدا کرتی ہے، اس غفلت میں جتنا اضافہ ہوگا، اسی مناسبت سے فرد پر دنیا کا رنگ

غالب ہوگا، دنیا کے رنگ کو زائل کرنے کے لئے کثرت ذکر سے زیادہ کوئی چیز مفید ومؤثر نہیں۔ مرتب)

- دردومصیبت ورنج عاشقوں کی خوراک ہے، جس دن ان پر کوئی رنج وغم طاری نہیں ہوتا،اس دن انہیں فکر دامنگیر ہوتی ہے کہ دوست نے یادنہیں کیا۔ جب دوبارہ رنج وغم وتکلیف میں مبتلا ہوتے ہیں تو شکر ادا کرتے ہیں کہ دوست نے یاد کیا ہے۔

- آتش عشق وہ آگ ہے، جو درویش کے دل میں ہی داخل ہوسکتی ہے۔

حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ کے اقوال

- یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ فرد آلائش نفسانی بھی رکھے اور اللہ کی بارگاہ میں باریاب بھی ہو۔ (یعنی نفسانی خواہش اور اللہ کی بارگاہ میں باریابی یہ دونوں ایک دوسرے کے متضاد ہیں)۔

- جو درویش، خالق کے لئے نہیں، بلکہ خلق کے لئے عمدہ لباس پہنے، وہ راہ سلوک کا رہزن ہے اور جو نفس کے لئے اچھا کھانا کھائے، وہ جھوٹا اور خود پرست ہے، جو امرا کے ساتھ بیٹھتا ہے، وہ مرتد طریقت ہے اور جو نفس کے لئے خوب سوتا ہے، اسے اس نعمت سے کچھ نہیں ملا۔

- جو اولیا،اسرار الٰہی کو ظاہر کردیتے ہیں، وہ غلبہ شوق سے مجبور ہو کر ایسا کرتے ہیں اور بعض پختہ اولیا کسی حال میں بھی بھید ظاہر نہیں کرتے۔

- اہل معرفت کے لئے بلائے دوست رضائے دوست ہے۔

- درویش کا فاقہ اس کے اختیار میں ہے اور اسے دنیا دی گئی ہے کہ جس طرح چاہے خرچ کرے، وہ اپنے لئے بھی خرچ کرسکتا ہے، مگر وہ ایسا نہیں کرتا، بلکہ دوسروں کو دیتا ہے اور خود فاقہ کرتا ہے، جس سے اس کے کام میں ترقی ہوتی ہے۔

- جو محبت کا دعویٰ کرے اور مصیبت کے وقت چلائے، وہ جھوٹا ہے۔

- انسان کے لئے بُری صحبت سے بڑھکر کوئی چیز (خطرناک) نہیں۔

- فرد جب تک دنیا میں مشغول رہتا ہے، وہ خدا رسیدہ نہیں ہوسکتا۔ (دنیا میں مشغولیت سے ذکر سے توجہ ہٹتی ہے، اس لئے متوسط صوفی ذکر کے ملکہ کو مستحکم کرنے کے لئے عبوری عرصہ میں دنیاوی مصروفیات کو قطع کرکے، ذکر وفکر کے ملکہ کو مستحکم کرنے میں زیادہ وقت صرف کرتا ہے۔ مرتب)

- درویش کو راہ سلوک میں روزانہ ایک لاکھ ملکوں سے گزرنا چاہئے، پھر بھی اس کا قدم آگے ہی بڑھنا چاہئے۔ (درویش ہر طرح کے حالات میں محبوب کی طرف پیش قدمی کرتا رہتا ہے۔اس کا سونا اور اس کے دنیاوی کام بھی عبادت میں ہی شمار ہوتے ہیں، اس پر محبوب سے غفلت طاری نہیں ہوتی۔ مرتب)

حضرت شیخ ابوالحسن شاذلیؒ کے ملفوظات

جس نے گناہ چھوڑ کر (یعنی اسے جس حالت تکلیف میں مبتلا کیا گیا ہے) اس حالت پر صبر کیا اور اللہ تعالیٰ کے وعدے پر یقین کیا، وہی امام ہے، خواہ اس کے پیرو تھوڑے ہوں۔

جب تک بندے کے ساتھ خواہشوں میں سے کوئی خواہش اور اپنی مرضیات میں سے کوئی مرضی موجود ہے، تب تک وہ اللہ تک نہیں پہنچ سکتا۔

جو پرہیزگاری تمہارے دلوں میں علم ونور پیدا نہ کرے، اس کا اجر شمار نہ کرو۔

- جس بُرائی کے بعد خوف اور اللہ کی طرف رجوع ہو، اس کا کوئی وبال وحساب نہ ہوگا۔

- چار چیزیں ایسی ہیں کہ ان کے ہوتے ہوئے علم کچھ فائدہ نہیں دیتا۔ دنیا کی محبت، آخرت سے غفلت، افلاس کی دہشت اور آدمی کی دہشت (یعنی کسی فرد کا خوف)۔ (یہ چار چیزیں ایسی ہیں کہ اللہ کی محبت اور راہ عشق میں داخل ہوئے بغیر ان سے نجات

مشکل ہے۔محض علم سے ان بیماریوں سے چھٹکارا حاصل نہیں ہوسکتا۔مرتب)

- دونیکیاں ایسی ہیں کہ ان کے ساتھ اگر گناہ ہوں تو ضرر نہیں ہوتا، ایک قضائے الٰہی پر رضامندی۔ دوسرے اللہ کے بندوں سے درگذری۔

- جو کامل ہوتے ہیں،وہ اوصاف حق کے بھی حامل ہوتے ہیں اور خُلق کے صاحب بھی۔خُلق کے اعتبار سے انہیں دیکھوگے تو بشر کے اوصاف نظر آئیں گے اور اگر حق کی حیثیت سے دیکھوگے تو ان میں حق کے اوصاف پاؤگے۔ رسول اللہ ﷺ کے اخلاق کی پیروی سے تمہیں ان کے ظاہر میں فقر اور باطن میں غنا نظر آئے گا۔ (ظاہر میں فقر اور باطن میں غنا تکمیل سلوک کے بغیر حاصل ہو،مشکل ہے،تکمیل سلوک کی سب سے بڑی علامت یہ ہے کہ دل سے دنیا کی محبت نکل جائے، اسلامی شریعت مزاج کا حصہ بن جائے، ہر معاملہ میں مخلوق کی طرف دیکھنے کی بجائے محبوب حقیقی کی طرف دیکھنے کا مزاج مستحکم ہوجائے۔ ذکر اور راہ سلوک کے مراقبہ جات میں یہ خصوصیات موجود ہیں کہ اس سے فرد کی نفسی قوتوں پر روحانی قوتیں غالب آجاتی ہیں اور زہد، فقر، دنیا سے استغنا، قناعت، توکل اور صبر وشکر کی صفات غالب ہوجاتی ہیں۔

جہاں ایسا نہ ہو اور بزرگی کے باوجود شہرت اور دنیا کا رنگ غالب ہو، وہاں یہ سمجھا جائے گا کہ ذکر ومراقبہ جات پر مطلوبہ مجاہدہ سے کام نہیں لیا گیا، جس کی وجہ سے نفسی قوتیں وخواہشات مضمحل نہ ہوسکیں اور بزرگی کی مسند پر وقت سے پہلے فائز ہونے کی حماقت سرزد ہوئی۔ مرتب)

مولانا رومیؒ کے بیان کردہ کچھ نکات

- دانا کی زیارت عبادت ہے، جس سے نیک بختی کے دروازے کھلتے ہیں۔

- بہت سے ابلیس، انسان کی صورت پر ہیں، لہٰذا ہر ایک کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ نہ دو۔ (یہاں یہ نکتہ بیان کیا گیا کہ بزرگی کے روپ میں دنیادار افراد موجود ہوتے ہیں، ان

کا مقصد مال ودولت کا حصول ہوتا ہے۔ ایسے لوگوں سے بظاہر چاہے ہی کتنی عقل سے ماوریٰ چیزیں صادر ہوں، لیکن ان کی مال ودولت سے وابستگی کی بیماری ایسی ہے، جو ان کی بزرگی کو باطل کردیتی ہے، ایسے لوگوں کے ہاتھ میں ہاتھ دینا سراسر خسارہ ہے۔ مرتب)

- اگر ہماری جان یاد خدا میں بیدار نہیں تو یہ بیداری ہمارے لئے قید خانہ ہے۔

- جب بڑوں کی قسمت میں درد ورنج ہے تو چھوٹے اس سے محفوظ کیسے رہ سکتے ہیں، اہل معرفت کا علم انہیں اوپر اٹھاتا ہے اور انہیں بلند کرتا ہے۔ جب کہ اہل تن (یعنی پیٹ پرست) کے علوم ان کے لئے بوجھ ہیں۔

- فقیر کا دو ایک دن کے لئے امتحان کرنا کہ اس میں دگنی بے نیازی دیکھے۔ (یہاں حقیقی فقیر ودرویش کی نشاندہی کی گئی کہ ان کے ساتھ رہوگے تو دنیا سے ان کی استغنا کی حالت کو دیکھوگے، اگر اس میں دنیا سے بے نیازی کی حالت موجود نہیں، وہ مال ودولت سے کھیلتا ہے، بنگلوں میں رہتا ہے، پہروں میں رہتا ہے تو ایسا فرد حقیقی درویش نہیں ہوسکتا، جہاں تک اس کی شہرت، اور مریدوں کی کثرت کا تعلق ہے تو یہ اس کے لئے آزمائش ہے، بزرگی کی علامتیں تو وہ صفات ہیں جن کا ذکر اکابر بزرگوں نے کیا ہے۔ مرتب)

بعض ممتاز بزرگوں کے اقوال

- اے پیاری عمر، ہم غذا میں مٹی کھاتے رہے، سو آخر کار ہمیں مٹی نے کھالیا۔

- اگر تو راستہ نہیں جانتا تو جو کچھ نفس کہتا ہے تو اس کا الٹ کر، کیونکہ وہی سیدھا راستہ ہے۔

- دل کی صلاحیتوں کا چار چیزوں پر دارو مدار ہے، اللہ سے والہانہ محبت، غیر اللہ سے فرار، مراقبہ اور تواضع۔ (عثمان الجسیری)

- اپنے عیوب کسی کو نظر نہیں آتے، سوائے اس شخص کے، جو ہر وقت اپنے آپ کو ملامت کرتا ہے۔ (عثمان الجسیری)

اہل قلوب کی صحبت اور ان کی دوستی اس وقت فائدہ مند ثابت ہوتی ہے، جب ان کی صحبت کے آداب سے آگاہی ہو اور ان آداب کی پوری رعایت کی جائے، ورنہ خطرہ کا باعث ہے۔ (ناصر الدین عبیداللہ)

-علم وہ ہے، جس سے دنیا حقیر دکھائی دے اور آخرت کی فکر میں اضافہ ہو، دنیا کی خرابیاں واضح ہوجائیں اور بُرے اخلاق سے نجات حاصل ہو۔ (امام غزالی)

- جب اللہ تعالیٰ کسی سے مواخذہ کرتا ہے تو اسے اپنے کاموں سے الگ کرکے نفس کے کاموں میں لگا دیتا ہے۔(معروف کرخی) (اللہ کی پکڑ کی علامت یہ ہے کہ فرد پر شب وروز نفسی کاموں کا غلبہ رہنے لگتا ہے۔ مرتب)

- جو فرد اپنے نفس سے مطمئن ہے، وہ سب سے زیادہ ہلاکت کے خطرہ سے دوچار ہے۔ (احمد بن عاصم) (محاسبۂ نفس کا کام آخری وقت تک جاری رہتا ہے۔ مرتب)

- دل کو زندہ رکھنے کا طریقہ یہ ہے کہ دل کو ہمیشہ شکستہ رکھا جائے اور حرص سے بچایا جائے۔ (عبداللہ خبیق)

(ٹوٹا ہوا دل اور سارے مجاہدوں کے باوجود کچھ بھی نہیں ہونے کے احساس کا ہونا بڑی نعمت ہے، یہی ٹوٹا ہوا دل محبوب کو پسند ہے۔ مرتب)

- جو اللہ سے جتنی زیادہ محبت کرتا ہے، اسے اتنی زیادہ آزمائشوں میں مبتلا کر دیا جاتا ہے۔ (یوسف بن الحسین) (اللہ سے محبت اور آزمائش ایک دوسرے کا لازم وملزوم حصہ ہیں، آزمائشیں اس لیے آتی ہیں، تاکہ طالب کو مستحکم تر کیا جائے۔ مرتب)

- محبت میں مصیبت اس لئے ہوتی ہے، تاکہ ہر کمینہ اس کا دعویٰ نہ کرے۔ (حضرت محبوب الٰہی) (ہر وہ فرد جو دنیا میں غلطاں ہے یا خواہشات نفس کا عادی ہے، اس کے لئے اللہ کی محبت کے راستے بند ہوتے ہیں، جب تک اس کے دل میں حقیقی طلب پیدا نہ ہو۔ مرتب)

- اہل محبت اور حق کے درمیان کوئی حجاب نہیں ہوتا (اس لیے کہ اہل محبت ذکر فکر کے غیر معمولی مجاہدوں سے حجابات کو قطع کردیتے ہیں۔ مرتب)

- کسی کا بُرا چاہنے والا ہمیشہ خود مصیبت میں مبتلا ہوتا ہے۔ (معروف کرخی)

- انسانوں میں سب سے زیادہ ذلیل وہ درویش ہے، جو دولتمندوں کی خوشامد کرے۔ (عبداللہ محمد مغربی)

(دولتمندوں سے قرب کے حصول اور دولتمند بننے کی تمنا سے بچنا سب سے دشوار کام ہے، اس کے لیے مجاہدوں کے ساتھ ساتھ زندگی بھر محتاط ہونے کی ضرورت درپیش ہے۔ مرتب)

- جو شخص یہ خواہش رکھے کہ لوگ اسے جانیں، اسے آخرت کی حلاوت نصیب نہ ہوگی۔ (بشر حافی)

(جذبہ شہرت سب سے بڑی آفت ہے، اللہ کے فضل خاص اور غیر معمولی مجاہدوں کے ذریعے نفس کی آخری حد تک فنائیت کے بغیر اس سے بچنا ممکن نہیں۔ مرتب)

-جب تک فرد اپنے اور نفس کے درمیان دیوار کھڑی نہ کرے، وہ نیاز اور نماز کی لذت سے ہمکنار نہیں ہوسکتا۔(اپنے اور نفس کے خلاف دیوار کھڑے کرنے کا کام ان تھک اور مستقل جدوجہد کا متقاضی ہے۔ مرتب)

-بخیل کو دیکھنے سے فرد کا دل سخت ہوجاتا ہے۔

-امیروں کی تواضع کرنا فقیروں کے ساتھ دیانت ہے اور فقیروں کی تواضع کرنا، امیروں کے ساتھ خیانت ہے۔ (فقیر کی تواضع کے بغیر امیر کا غرور پاش پاش ہو، ممکن نہیں اور فقیروں کی طرف سے امیروں کی غیر معمولی تواضع کرنا، یہ فقیروں کے داعیۂ فقر کے لیے مضر ہے۔ مرتب)

-جب دل دنیا کی محبت سے خالی ہوتا ہے تو اس میں حکمت پیدا ہوتی ہے۔ (حکمت اور دانائی کا تعلق دل کو دنیا کی محبت سے آخری حد تک خالی کرنے سے وابستہ

ہے، اس کے بغیر دل میں حکمت کے موتی اگ سکیں، مشکل ہے۔ مرتب)

- عارف کے ستر مقام ہیں، ان میں سے ایک اس جہاں کی مرادوں کا نصیب نہ ہونا ہے۔ (حضرت نظام الدین اولیا)

(عارف جب تک دنیا اور اہل دنیا سے استغنا کے مقام پر فائز نہیں ہوتا، اس کا کام نہیں بن سکتا اور وہ عرفان کے مطلوبہ مقام پر فائز نہیں ہوسکتا، اس صورت میں اسے عارف کہنا ہی غلط ہے۔ مرتب)

-جب بندہ محض اللہ کے لئے کسی ادنی چیز کو چھوڑ دیتا ہے تو اسے اس سے بہتر شے ضرور ملتی ہے۔ (اللہ کی یہ سنت ہے کے نفس اور دنیا سے دستبردار ہوکر اللہ کے ہوجانے، کے نتیجے میں فرد پر انعامات کی بارش ہونے لگتی ہے۔ مرتب)

اہل علم واہل دانش ساتھی کے نام

یہ مضمون اپنی اس وقت کی حالت کو پیش نظر رکھکر لکھا گیا ہے، جب صاحبان دل سے دوری کی حالت غالب تھی، ہمارے بعض اہل علم ساتھی اب تک اسی حالت پر قائم ہیں، یہ مضمون ان کے غور وفکر کے لئے لکھا گیا ہے۔

اللہ کی محبت سے دور صاحب علم ودانش شخص عام طور پر زندگی کے دوراہے پر جس صورتحال سے دوچار ہوتا ہے، وہ درج ذیل صورتحال ہوتی ہے۔

(۱) وہ قیل وقال میں آگے ہوتا ہے، عمل میں فروتر

(۲) وہ اپنے علم، اپنی تحقیق اور اپنی رائے کو حرف آخر سمجھتا ہے۔اس میں ازسرنو غور وفکر کی ضرورت محسوس نہیں کرتا۔

(۳) بڑے بڑے اکابر صاحبان علم کے علم کو وہ اپنے علم کے مقابل سمجھتا ہے۔ اس طرح وہ امت کی مسلمہ علمی شخصیتوں کے علوم وفیوض سے بے بہرہ رہتا ہے۔

(۴) وہ زندگی بھر الفاظ کے خولوں سے بھری ہوئی وادی علم میں بھٹکتا پھرتا ہے اور نور معرفت سے بہرہ وری کی راہ پر آنے کے لئے تیار نہیں ہوتا۔

(۵) کثرت علم وکثرت مطالعہ کی وجہ سے وہ اپنے حلقہ میں اپنی فوقیت ظاہر کرنے کے لئے کوشاں ہوتا ہے، اس طرح وہ اپنے حلقہ احباب کی دلوں میں مقام حاصل کرنے سے محروم رہتا ہے۔

(۶) قلبی سکون کی دولت سے عدم بہرہ وری کی وجہ سے وہ ذہنی دباؤ کا شکار ہوتا ہے۔ اور علم اسے اس دباؤ سے بچانے میں معاون ثابت نہیں ہوتا، اس ذہنی دباؤ کی وجہ سے اشتعال، جھنجھلاہٹ، وغیرہ اس کے مزاج کا حصہ بن جاتی ہیں۔

(۷) وہ انانیت کے مرض کا شکار ہوتا ہے، جس کی وجہ سے اس کی شخصیت دیگر کئی امراض کی آماجگاہ بن جاتی ہے۔

(۸) اسلامی شریعت کے فرائض وواجبات کی ادائیگی میں وہ سست واقع ہوتا ہے، اگر عادت کی وجہ سے فرائض وواجبات اس سے ادا ہوتے بھی ہیں تو وہ اس کے حقیقی ثمرات سے متمتع نہیں ہوتا۔

(۹) وہ جدیدیت کی فکری لہروں سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتا، اس لئے کہ جدیدیت، آزاد خیالی کو مہمیز دیتی ہے اور آزاد خیالی اس کا وتیرہ بن جاتی ہے، اس آزاد خیالی کی وجہ سے سلف وخلف سب اس کی تنقید کا نشانہ بنے رہتے ہیں۔ یہی آزاد خیالی اس کی شخصیت کے داخلی بحران میں اضافہ کا ذریعہ بنتی ہے۔

(۱۰) اگر صاحب علم شخص زیادہ علمی، تحریری وتقریری صلاحیتوں کا حامل ہے تو وہ اپنی ان صلاحیتوں کی وجہ سے ملت میں تفریق پیدا کرنے اور امت میں نئے گروہ کو جنم دینے کا ذریعہ بنتا ہے۔

(۱۱) حب مال کی لہریں اسے زیر وزبر کرتی رہتی ہیں اور مال کی فکر اسے غیروں کا سہارا لینے پر مجبور کردیتی ہے، جس کی وجہ سے اس کی ڈور غیروں کے حوالے ہوجاتی ہے۔

(۱۲) وہ دین کے صحیح نصب العینی کام اور دین کے فرائض وواجبات کی صحیح ترتیب جو سلف سے خلف تک تسلسل کے ساتھ آرہی ہے، اس کے فہم سے قاصر ہوتا ہے۔ اپنے علم، عقل اور خودرائی کی وجہ سے دین کی جس تشریح کو وہ صحیح سمجھتا ہے، وہ تشریح اسے سبیل المومنین سے گرا کر، گمراہی میں مبتلا کرنے کا موجب بنتی ہے۔

(۱۳) وہ حقیقی محبت کی حلاوت سے محرومی کی وجہ سے نئے نئے افکار اور نئی نئی چیزوں کی محبت کا اسیر رہتا ہے۔

(۱۴) حقیقی محبت سے محرومی کی وجہ سے اس کے لئے کردار میں پاکیزگی، مزاج میں ٹھہراؤ واعتدال اور باطنی نور سے فیضیابی کی راہیں مسدود ہوجاتی ہیں۔

(۱۵) وہ معاشرہ میں جوڑ سے زیادہ توڑ پیدا کرتا رہتا ہے۔

(۱۶) وہ علم وعقل واستدلال میں جتنا آگے بڑھتا ہے، اسی مناسبت سے وہ حق وحقیقت سے دور تر ہوتا جاتا ہے، لیکن وہ حجابات کی وجہ سے اس کے ادراک سے قاصر ہوتا ہے۔

(۱۷) تربیت وتزکیہ کے بغیر علم وعقلیت میں تیزی کا ایک لازمی نتیجہ خودرائی اور آزادی ہے، (جس کا اوپر ذکر ہوا) یہ آزاد خیالی ایک تو خارجیت اور داعش جیسے رویوں کو جنم دینے کا ذریعہ بنتی ہے، دوم یہ کہ اسی آزاد خیالی سے سیکولرزم اور اسلام کے نئے ایڈیشن کی تیاری کے میلانات ورجحانات پیدا ہوتے ہیں۔

علم وعقلیت اور اسلام کی خودرائی پر مبنی تشریح کے نام پر اس وقت ہمارے ہاں یہ دونوں طرح کے رجحانات ومیلانات پیدا ہوچکے ہیں، جس نے معاشرہ کو خرابیوں سے دوچار کردیا ہے۔

(۱۸) اسلامی تحقیق اور خود ساختہ اسلامی تشریح کے شوق میں ایک بیماری جو پیدا ہوئی ہے، وہ قساوت قلبی کی بیماری ہے، اس لئے کہ جب امت کی مسلمہ شخصیتوں کی تردید وتکذیب ہوگی، ان کے دینی فہم پر اعتماد ختم ہوگا، ذکر سے طبعی مناسبت کا تعلق نہ ہوگا تو اس کا لازمی نتیجہ قساوت قلبی ہی کی صورت میں ظاہر ہوگا اور قساوت قلبی کی بیماری ایسی ہے، جو عبرت، موعظت، رجوع اللہ اور خوداحتسابی جیسی چیزوں کو سلب کردیتی ہے۔

(۱۹) علم وعقلیت کا دین کے ایسے مسائل میں استعمال، جس کے لئے غیر معمولی اجتہادی صلاحیت، تبحر علمی، رسوخ فی الدین، تقویٰ وبصیرت اور صلحائے امت کی طویل عرصہ کی صحبت جیسے اوصاف درکار ہیں، ان صلاحیتوں واوصاف کے بغیر مجتہد کے مقام پر فائز ہوکر، دینی تحقیقات کا کام ہاتھ میں لینا، دراصل اپنی ہلاکت کا سامان تیار کرنے کے مترادف ہے، جدیدیت سے تاثیری پذیری کے المیوں میں ایک المیہ یہ بھی ہے کہ وہ صاحب دانش شخصیت کو اغویٰ کرکے، اسے محض کتابی علم کی بنیاد پر تشریح دین کے بلند مقام

پر فائز کر دیتی ہے۔

خود سری وخودرائی کے حامل علم وعقل کی کتنی بڑی سزا ہے، جو اس طرح کی شخصیت کو ملتی ہے۔

اے صاحب علم ودانش، خود احتسابی سے کام لے، کچھ وقت کے لئے اپنے علم سے دستبردار ہو کر خود کو صاحبان معرفت کے حوالے کر، تا کہ وہ تیرے خالی دل کو نور معرفت سے بھر سکیں اور اس میں موجود انانیت جیسے جذبات کو نکال سکیں اور تیرا تزکیہ کر کے، تجھے معرفت کے ایسے چشمہ سے سیراب کریں، جس سے علم کا حقیقی نور اور اس کا خزانہ پھوٹتا رہے۔

اے اہل دانش، اہل اللہ کے خادم کی یہ بات مان کر، اپنے آپ کو دین ودنیا اور دنیا وآخرت میں کامیابی سے ہمکنار کر لے۔